۲۴ آیتیں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۴ آیتیں

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، یہ انسانیت کے لیے ابدی پیغام اور زندہ دستور العمل ہے، یہ بیک وقت دماغ کو بھی مطمئن کرتی ہے اور بربطِ دل کو بھی چھیڑتی ہے، یہ ایک انقلاب انگیز کتاب ہے، جیسے سورج کی تمازت میں کبھی کمی نہیں آسکتی اور سمندر کی وسعتوں کو کم نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح اس کتاب کی اثر انگیزی، اس کی تاثیر، دلوں کو زیروزبر کردینے کی صلاحیت اور فکرونظر پر چھاجانے کی طاقت میں کبھی کوئی کمی نہیں ہوسکتی، یہ رَواں دَواں زندگی میں انسان کی رہنمائی کی پوری صلاحیت رکھتی ہے، اس لئے اس کی آب وتاب میں کوئی فرق نہیں آسکتا، خود اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، (الحجر: ۹) جو اس بات کا اعلان ہے کہ قرآن مجید قیامت تک اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ محفوظ رہے گا۔

دنیا میں جو دوسری مذہبی کتابیں ہیں، انسانی زندگی سے ان کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے، آج کوئی ہندو، بدھسٹ یا عیسائی اپنی تجارت، کاروبار، نظامِ حکومت، طریقۂ عدل وانصاف، ازدواجی زندگی، خاندانی تعلقات، مختلف قوموں کے باہمی روابط اور اس طرح کے دوسرے مسائل میں اپنی مذہبی کتابوں سے رجوع نہیں کرتا، نہ اپنے مذہبی علماء سے احکام ومسائل معلوم کرتے ہیں، زیادہ سے زیادہ بعض قومیں نحس وبرکت وغیرہ کے سلسلہ میں جو توہمات ہیں، ان کے لیے مذہبی شخصیتوں سے رجوع ہوتے ہیں اور کچھ عبادتی رسوم کو اپنی عبادت گاہوں میں انجام دے لیتے ہیں، عام لوگ ان کتابوں کو نہ پڑھتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں، سمجھا جاتا ہے کہ کچھ مخصوص لوگ ہی اس کو پڑھنے اور سمجھنے کے اہل ہیں، اس لیے ان قوموں کی زندگی میں مذہب کا ہمہ گیر تصور نہیں پایا جاتا اور وہ زندگی کے عام مسائل میں اپنی خواہش کے متبع ہیں، نہ کوئی حلال

ہے نہ حرام، نہ جائز، نہ ناجائز اور نہ مکروہ نہ مستحب۔

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اُمتِ مسلمہ اپنی بہت سی کمزوریوں اور کوتاہ عملیوں کے باوجود آج بھی اپنے مذہب سے مربوط ہے، خود ہمارے ملک ہندوستان میں بیسیوں دارالافتاء ہیں، جن کے پاس روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں فتاویٰ کی ڈاک آتی ہے اور لوگ زندگی کے نوع بنوع مسائل کے بارے میں حکمِ شرعی دریافت کرتے ہیں، کسی جبر و دباؤ کے بغیر اپنے سینکڑوں نزاعات کو شرعی پنچایت اور دارالقضاء ہی میں لے جاتے ہیں اور مسلمان چاہے زندگی کے کسی بھی شعبہ میں ہو، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنی زندگی گذارے، اسی چیز نے اسے الحاد و بددینی کے اس طوفان میں بھی دین سے مربوط رکھا ہے اور وہ اس لادینی ثقافت کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کو تیار نہیں ہیں، جس کے سامنے آج تمام قومیں اپنی شکست تسلیم کر چکی ہیں، یہ سب قرآن مجید کا فیض ہے، یہ وہ چیز ہے جس نے حق اور سچائی کے دشمنوں کو قرآن مجید کے خلاف کھڑا کر دیا ہے؛ لیکن یہ بات کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ حذف کر دیا جائے، کوئی نئی بات نہیں ہے، یہ مطالبہ تو خود نزولِ قرآن کے زمانہ میں بھی رہا؛ لیکن جیسے ان معاندین کی خواہش ناکام و نامراد ہوئی، آج جو لوگ قرآن مجید کے خلاف زبان کھول کر سورج پر تھوکنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کی اس بے جا خواہش اور مطالبہ کا بھی وہی حشر ہوگا۔

ہندوستان میں حقیقت پسند ہندو علماء نے ہمیشہ قرآن مجید کو عقیدت و احترام کی نظر سے دیکھا ہے، گاندھی جی اور ونوبا بھاوے مذہبی شخصیت کے حامل تھے، گاندھی جی قرآن مجید سے بہت متاثر تھے اور اس کی تلاوت بھی کیا کرتے تھے، یہی حال ونوبا جی کا تھا، انھوں نے تو قرآن کی منتخب آیات کا ترجمہ اور مختصر تشریح بھی ''روح القرآن'' کے نام سے مرتب کی ہے، ہندوستان میں طباعت و اشاعت کی موجودہ سہولتوں اور پریس کی کثرت کے دَور سے پہلے قرآن مجید کی طباعت میں سب سے نمایاں کام 'منشی نولکشور لکھنؤ' کا ہے، وہ صحت کے مکمل

اہتمام کے ساتھ قرآن مجید طبع کیا کرتے تھے اور طباعت کے لئے سنگی تختیاں تیار کرتے تھے، نیز انھیں احتراماً دوسری زیرِ طباعت کتابوں اور ان کی تختیوں سے اوپر رکھا کرتے تھے، یہ ان ہندو بزرگوں کا حال تھا، جنھوں نے قرآن مجید کو پڑھا تھا اور براہِ راست اس عظیم کتاب کے مطالعہ کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔

قرآن مجید کے بارے میں ہندو علماء کے تأثرات

قرآن مجید کے بارے میں بابا بھوپندر ناتھ باسو فرماتے ہیں :

تیرہ سو برس کے بعد بھی قرآن کی تعلیم کا یہ اثر موجود ہے کہ ایک خاک روب بھی مسلمان ہونے کے بعد بڑے بڑے خاندانی مسلمانوں کی برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

بابو بپن چندر پال کہتے ہیں :

قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کی طرح ذات، پات کا امتیاز موجود نہیں ہے، نہ کسی کو محض خاندانی اور مالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے۔

مشہور قائد مسز سروجنی نائیڈو کا یہ بیان کس قدر حقیقت پسندانہ ہے :

قرآن کریم غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے، دنیا اس کی پیروی سے خوش حال ہو سکتی ہے۔

بابائے قوم مہاتما گاندھی جی کا ارشاد ہے :

مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تأمل نہیں ہے۔ (سہ روزہ دعوت: ۱۳ر مئی ۱۹۸۸ء، ص:۶،۷)

قرآن مجید کے ہندو مترجمین و ناشرین

قرآن مجید سے اسی تعلق اور عقیدت کا اثر ہے کہ مختلف ہندو اہل علم نے قرآن مجید کا

ہندی زبان میں ترجمہ کیا ہے، یا قرآن کی منتخب آیات کو اپنی زبان میں منتقل کیا ہے، ونوبا بھاوے کی ''روح القرآن'' کا ذکر اوپر آچکا ہے، ہندی کے مشہور شاعر بھارتبند و ہرش چندر نے بھی قرآن کا ترجمہ شروع کیا تھا، جو رسالہ ''ہرش چندر'' میں ۱۸۷۷ء میں شائع ہونا شروع ہوا تھا، لکھنؤ کے نندکمار اوستھی نے بھی قرآن پاک کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، آریہ سماجیوں کی طرف سے بھی وید کے منتروں سے تقابل کرتے ہوئے قرآنی آیات کا انتخاب مع ترجمہ شائع کیا گیا ہے، ۱۹۹۴ء میں ہندوستان کے سابق کیبنٹ سکریٹری ونود چند پانڈے نے بھی قرآن کا ترجمہ کیا ہے، انھیں اعتراف ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے بلکہ وحی ہے، سردار جگجوت سنگھ کی فرمائش پر کنہیا لال لکھداری نے بھی قرآن کا ترجمہ کیا، جو چارسو پندرہ صفحات پر دھرم سبھا لدھیانہ سے ۱۸۸۲ء میں شائع ہوا تھا، اس ترجمہ میں شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ سے مدد لی گئی ہے۔

بنگال کے ایک ہندو عالم گریش چندر سنگھ نے ۱۸۸۱ء میں قرآن مجید کا بنگالی زبان میں ترجمہ کیا، ۱۹۲۶ء میں بنگلہ بولنے والے مسلم علماء نے اس ترجمہ کو مستند قرار دیا، پنڈت کیلاش چندر برہست نے جناب امام الدین رام نگری کے ساتھ مل کر مولانا صدرالدین اصلاحی مرحوم کے ترجمہ کو ہندی میں منتقل کیا، یہ ترجمہ ۱۹۵۵ء میں رامپور سے شائع ہوا اور اس کے صرف دو ہی پارے منظرعام پر آسکے، جناب پران ناتھ نے اپنی گجراتی تالیف ''قلزم سروپ'' میں قرآن اور وید کے متن کا انتخاب پیش کیا ہے، دھن پرکاش ایڈوکیٹ سپریم کورٹ دہلی نے قرآن مجید کا منظوم ہندی ترجمہ ''پوتر قرآن درشن'' کے نام سے کیا ہے، جسے ''الوک پرکاش'' نے شائع کیا ہے اور فروری ۲۰۰۰ء کے کتابی میلہ میں اسے نمائش وفروخت کے لئے بھی رکھا گیا تھا، شیخ محمد یوسف کا ہندی ترجمہ قرآن جس شخصیت نے شائع کیا، وہ ہیں پنڈت دولت رام شرما، یہ ترجمہ اسٹار پریس بازار ہال امرتسر سے اشاعت پذیر ہوا تھا۔ (ملخص از دراسات اسلامیہ کے فروغ میں ہندوؤں کا حصہ، ص:۱۵۸-۱۵۵)

یہ ان ہندو بزرگوں کا حال تھا، جنھوں نے قرآن مجید کو پڑھا تھا اور براہِ راست اس عظیم کتاب کے مطالعہ کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔

اب یہ بے چارے وی، ایچ، پی والے جو سیاست کے لیے مذہب اور دھرم کا ناجائز استعمال کرتے رہے ہیں اور اپنی زہر آلود تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ انسانوں کو بانٹنے اور دلوں کو تقسیم کرنے کا کام کر رہے ہیں، ان ہی لوگوں نے سیدھے سادھے، سادہ لوح ہندو بھائیوں کے دلوں میں نفرت کے بیج بونے اور مسلمانوں کے خلاف تشدد پیدا کرنے کی غرض سے قرآن مجید کی ۲۴ آیتوں کا انتخاب کیا ہے اور ان کے ذریعہ یہ بتانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ قرآن کریم غیر مسلموں کو قتل کرنے، ان کا دشمن ہونے اور انھیں دوست نہ بنانے کی تعلیم دیتا ہے، اس لئے مسلمان کبھی بھی غیر مسلموں کے حق میں مہربان اور رحم دل نہیں ہو سکتے۔

اس پروپگنڈے کی حقیقت یہ ہے کہ انھیں آگے پیچھے کے مضمون سے کاٹ کر یا جن غیر مسلموں سے عہدِ نبوت کے مسلمانوں کا سابقہ تھا، ان کو نظر انداز کر کے اور ان آیات کو ان کے نازل ہونے کے پس منظر کو بیان کئے بغیر پیش کیا جارہا ہے، ظاہر ہے کہ کسی بھی بات کو اگر اس کے پس منظر سے ہٹا دیا جائے، یا اس کو آگے یا پیچھے کی عبارتوں سے کاٹ کر پیش کیا جائے ،تو اچھی سے اچھی بات کا بھی غلط مفہوم نکالا جا سکتا ہے، اسی پس منظر میں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ان آیات کے بارے میں صحیح صورتِ حال پیش کر دی جائے۔

بحیثیتِ مجموعی یہ آیات تین طرح کی ہیں: دس آیات جہاد سے متعلق ہیں، چھ آیات غیر مسلموں سے تعلق و دوستی رکھنے نہ رکھنے اور ان کے دوستی کے لائق ہونے اور نہ ہونے سے متعلق ہیں اور آٹھ آیتیں غیر مسلموں پر عذاب سے متعلق ہیں، جن آیات کو زیادہ تر پروپیگنڈہ کا ذریعہ بنایا گیا ہے، وہ جہاد سے متعلق آیتیں ہیں، اس لئے پہلے ان ہی آیات پر گفتگو کی جاتی ہے :

جہاد سے متعلق آیات

(۱) وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً فَلَا

تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدتُّمُوْهُمْ وَلاَ تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيّاً وَلاَ نَصِيْراً۔ (النساء:۸۹)

وہ چاہتے ہیں کہ جیسے یہ لوگ کفر کر رہے ہیں تم بھی کفر کرو؛ تاکہ تم ایک جیسے ہوجاؤ، تو تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ، جب تک وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کرجائیں، اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں، تو انھیں جہاں کہیں پاؤ، پکڑو اور قتل کرو اور ان میں سے کسی کو دوست اور مددگار نہ بناؤ۔

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ اس وقت اہل مکہ نے مسلمانوں کو بے حد اذیت پہنچائی تھی، یہاں تک کہ ان کے قتل کے دَرپے ہوگئے تو مسلمانوں کو مجبور ہوکر ترکِ وطن کرنا پڑا اور انھوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی، پھر یہاں بھی مسلمانوں کا چین وسکون انھیں پسند نہیں آیا اور انھوں نے بار بار مدینہ پر اپنی یلغار جاری رکھی، ظاہر ہے جو لوگ مسلمانوں کی جان کے درپے ہیں، تو اپنی مدافعت کے طور پر وہاں مسلمانوں کو بھی اس بات کا پورا حق حاصل تھا، کہ وہ ان کی زیادتیوں کا جواب دیں، اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں سے تبدیلیٔ مذہب اور ارتداد سے کم کسی اور بات پر رضامند نہیں تھے، جو ظاہر ہے کہ کھلا ہوا ظلم ہے۔

پھر اس سے اگلی آیات کو دیکھا جائے تو بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

إِلاَّ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ إِلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيْثَاقٌ أَوْ جَآؤُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوْكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوْكُمْ فَإِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلاً۔ (النساء:۹۰)

سوائے ایسے لوگوں کے جو ان سے جا ملیں ، جن کے اور تمہارے
درمیان عہد (معاہدۂ امن) ہو، یا وہ تمہارے پاس اس طرح آئیں
کہ نہ تم سے لڑنا چاہتے ہوں نہ اپنی قوم سے ؛ حالاں کہ اگر اللہ
چاہتے تو ان کو تم پر مسلط کر دیتے ، پھر وہ تم لوگوں سے جنگ کرتے ،
تو اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں جنگ نہ کریں اور صلح پیش کریں ،تو اللہ
تعالیٰ نے تمہارے لئے ان کے خلاف کوئی راستہ نہیں رکھا ہے۔

دیکھئے ! اس آیت نے اس بات کو واضح کر دیا کہ اس سے پہلی آیت میں قتال کا حکم ان لوگوں سے ہے جو مسلمانوں سے برسر جنگ ہوں ، جو غیر مسلم مسلمانوں کے حلیف ہوں ، یا مسلمانوں کے حلیف کسی غیر مسلم گروہ کے حلیف ہوں ، یا غیر جانبدار ہوں ، نہ مسلمانوں سے جنگ چاہتے ہوں اور نہ ان لوگوں سے جو مسلمانوں سے جنگ کی حالت میں ہوں ، تو ان تینوں طرح کے لوگوں سے مسلمانوں کے لیے قتال درست نہیں ؛ بلکہ قرآن نے صاف طریقہ پر مسلمانوں کو حکم دیا کہ جو غیر مسلم مسلمانوں کے ساتھ صلح وامن کا راستہ اختیار کریں ، مسلمانوں کو ضرور ہی ان کے اس رویہ کا جواب صلح اور امن سے دینا چاہئے اور کوئی زیادتی نہیں کرنی چاہئے۔

دوسری آیت

(۲) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِن يَكُن مِّنكُمْ
عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِئَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ يَغْلِبُوْا
أَلْفاً مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَفْقَهُوْنَ ۔ (انفال : ۶۵)

اے نبی ! ایمان والوں کو قتال پر آمادہ کیجئے ، اگر تم میں سے بیس
آدمی بھی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر سو
آدمی ایسے ہوں تو ایک ہزار منکرین پر بھاری رہیں گے ؛ کیوں کہ
یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے ۔

یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی؛ بلکہ یہ پوری سورت ہی زیادہ تر غزوۂ بدر کے واقعات اور اس واقعہ سے متعلق شرعی احکام پر مشتمل ہے، غزوۂ بدر ان حالات میں ہوئی کہ مسلمان ظلماً مکہ سے نکال دیئے گئے تھے، بہت سے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے قریب ترین اعزہ کو جبراً مکہ میں روک لیا گیا تھا، اہل مکہ کے مقابلہ مسلمان تعداد میں کم تھے ، اسلحہ اور دوسرے وسائل کے اعتبار سے بھی مکہ کے حملہ آوروں کا پلڑہ بھاری تھا، اس پس منظر میں مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی تعداد کی کمی پر نظر نہ رکھیں؛ بلکہ اپنے مقصد پر نگاہ رکھیں، کہ مکہ کے لوگ تو بن سمجھے بوجھے محض اکسانے پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ایک خاص مشن کے تحت ہے، اس لیے اگر تم کم بھی ہو تو زیادہ لوگوں پر غالب آ سکتے ہو، اب غور کیجئے ، کہ اس میں کن غیر مسلموں سے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے ، ان غیر مسلموں کے خلاف جو نہ تھمنے والے تلاطم کی طرح آگے بڑھ بڑھ کر مسلمانوں پر حملہ کر رہے تھے اور ان کے جان و مال کے درپئے تھے، اگر مسلمانوں کی طرف سے پہل ہوتی ،تو یہ جنگ بدر کے بجائے (جو مدینہ کے قریب واقع ہے) مکہ کے قریب ہوئی ہوتی ،تو کیا حملہ آوروں کے لئے مقابلہ پر ابھارنا کوئی ناواجبی بات ہے؟ اگر ہمارے ملک پر دشمن حملہ آور ہوں تو کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہوگا کہ ہم اہل وطن کو ان سے مقابلہ کی ترغیب دیں؟ غور کیجئے کہ ظلم کرنا مذموم ہے یا ظلم کا جواب دینا، یہ ایسی بات ہے جسے معمولی عقل وفہم کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔

تیسری آیت

(۳) فَإِذَا انسَلَخَ الأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُوْا وَأَقَامُوْا الصَّلاَةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ، إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبۃ:۵)

جب حرمت والے مہینے گذر جائیں ،تو تم ان مشرکوں کو جہاں کہیں

پاؤ، قتل کرو، انھیں پکڑو، گھیرو اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھو، پھر اگر یہ توبہ کرلیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ معاف کرنے والے مہربان ہیں۔

اس آیت کے مضمون ہی سے ظاہر ہے کہ یہ ان اہل مکہ کے بارے میں ہے جو حرام مہینوں کا احترام کرتے تھے، جو بہت سے مسلمانوں کے قاتل تھے، بہت سے مہاجرین کے رشتہ داروں کو انھوں نے روک رکھا تھا، جہاں کہیں کوئی مسلمان ان کے ہاتھ آجاتا تھا، اسے گرفتار کرلیتے تھے اور اسے قتل کرکے یا قاتلوں کے ہاتھ بیچ کر ہی دَم لیتے تھے، اس سلسلہ میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ بہت مشہور ہے، جنھیں گرفتار کرکے اہل مکہ کے ہاتھوں فروخت کیا گیا اور انھوں نے غزوۂ بدر میں ہلاک ہونے والے اپنے مورث کے بدلہ نہایت بے دردی اور سفا کی کے ساتھ انھیں شہید کردیا، انھیں مشرکین کے بارے میں فرمایا گیا کہ تم بھی ان سے ان کے مظالم کا بدلہ لے سکتے ہو۔

اس آیت سے پہلے اور اس کے بعد جو آیتیں آرہی ہیں، اگر انھیں پڑھ لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مشرکین کا ایک خاص گروہ مراد ہے نہ کہ تمام مشرکین؛ چنانچہ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے :

أَلاَ تُقَاتِلُوْنَ قَوْماً نَّكَثُوْا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِإِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُم بَدَؤُوْكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْنَ۔ (التوبۃ:۱۳)

کیا تم ایسے لوگوں سے قتال نہیں کروگے جنھوں نے اپنے عہد توڑ دیئے ، رسول کو جلاوطن کرنے کی ٹھان لی اور انھوں نے تمہارے مقابلہ میں خود ہی پہل کی ہے؟ کیا تم لوگ ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ زیادہ اس لائق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان لانے والے ہو۔

اس آیت نے بات صاف کردی کہ پہلے جن مشرکین سے قتال کا حکم دیا گیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کی، مسلمانوں کو وطن سے بے وطن کرنے پر کمر بستہ رہے اور نقصان پہنچانے اور حملہ کرنے میں پہل کی ؛ چنانچہ علامہ آلوسیؒ نے اوپر (آیت نمبر: ۵) میں جن مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا، ان کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ اس سے یہی عہد شکنی کرنے والے مشرکین مراد ہیں: ''المراد من المشرکین الناکثون'' (روح المعانی: ۶/ ۳۷)— پھر سورۂ توبہ کی اس دوسری آیت (آیت نمبر: ۱۳) نے اس بات کو واضح کردیا کہ قرآن نے بطورِ جواب اور مدافعت کے مشرکین سے قتال کی بات کہی ہے؛ کیوں کہ پہل ان ہی کی طرف سے تھی، یہ آیت اور آگے آنے والی آیت بھی دراصل فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے، مشرکین مکہ نے ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے اولاً تو مسلمانوں کو ان کے وطن 'مکہ' سے نکالا، پھر تین جنگیں ان پر مسلط کیں، ہجرت کے پہلے سال غزوۂ بدر، دوسرے سال غزوۂ احد اور پانچویں سال غزوۂ خندق کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ سے بھی اُجاڑ دیا جائے، پھر ہجرت کے چھٹے سال اہل مکہ ہی کی شرائط پر صلح حدیبیہ ہوئی اور ایک ڈیڑھ سال کے اندر انھوں نے اس صلح کی بھی دھجی اُڑادی، اب بتایئے کہ ایسے لوگوں کے خلاف اگر مزاحمت کی دعوت نہ دی جائے تو کیا ان کے راستہ میں پھولوں کی سیج بچھانے کو کہا جائے گا؟

چوتھی آیت

(۴) قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (التوبۃ: ۱۴)

ان سے قتال کرو، اللہ تعالیٰ انھیں تمہارے ہاتھوں سے سزا دے گا، رسوا کرے گا، تمہاری ان کے مقابلہ میں مدد کرے گا اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا۔

یہ سورۂ توبہ کی ۱۴ ویں آیت ہے کہ جس سے پہلے ان مشرکین کا ذکر آیا ہے، جنھوں نے عہد شکنی کی تھی اور مسلمانوں پر حملہ کرنے میں پہل کے مرتکب ہوئے تھے، انھیں کے بارے میں یہ بات کہی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سے سزا دے گا اور تمہاری مدد کرے گا اور اہل مکہ کی زیادتی کی وجہ سے تمہیں جو دُکھ پہنچا ہے، اس کی تلافی کرے گا اور ظلم پر آدمی کا آزردہ خاطر ہونا ایک فطری چیز ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے مقابلہ میں تمہارے لئے تسکین خاطر کا سامان کرے گا، ظاہر ہے کہ اس آیت میں ظالموں سے بدلہ لینے کا ذکر ہے، جو عین مطابق انصاف ہے۔

مشہور مفسر امام مجاہدؒ نے نقل کیا ہے کہ اس آیت کا تعلق بنوبکر اور بنوخزاعہ کی لڑائی سے ہے، یہ دونوں ہی قبیلے مشرک تھے؛ لیکن فرق یہ تھا کہ بنوبکر اہل مکہ کے حلیف تھے اور بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے، جب حدیبیہ میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان ناجنگ معاہدہ ہوا، تو اس معاہدہ میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اہل مکہ اور مسلمانوں کے حلیف قبائل پر بھی اس کا اطلاق ہوگا اور وہ ایک دوسرے کے خلاف کوئی زیادتی نہیں کریں گے؛ لیکن ہوا یوں کہ بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کردیا، یہاں تک کہ حرمِ مکہ میں جہاں اسلام سے پہلے بھی لوگ اپنے جانی دشمنوں اور اعزہ واقرباء کے قاتلوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، بنوخزاعہ کے لوگوں کو بے دردی سے قتل کیا گیا اور اس عہد شکنی میں اہل مکہ بھی پوری طرح شریک وسہیم رہے، اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی، جس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعہ تم ان بدعہدی کرنے والوں پر غالب ہوگے اور ان کے ظلم وزیادتی کی وجہ سے فطری طور پر جو آتش انتقام تمہارے سینہ میں بھڑک رہی ہے، اللہ اسے بجھائیں گے اور تمہارے دلوں کو ٹھنڈا کریں گے۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۸/۸۷،۸۶)

اب غور کیجئے! کہ جن لوگوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہو اور خود ہی حملہ کرنے میں پہل بھی کی ہو، کیا ان کے خلاف جوابی کارروائی کرنا ناانصافی کی بات ہے اور کیا قرآن کو یہ کہنا

چاہئے تھا کہ تم اپنا اور اپنے حلیفوں کا قتل عام دیکھتے رہو، مگر ہاتھ پر ہاتھ دیئے بیٹھے رہو، اپنی طرف سے کوئی جواب نہ دو؟؟

پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن نے جو ظالموں کے مقابلہ خدا کی طرف سے مظلوموں کی مدد بات کہی ہے، یہ کوئی عجوبہ نہیں ؛ بلکہ ہر مذہب میں حق اور سچائی پر قائم رہنے والوں کو اہل باطل اور ظالموں کے مقابلہ خداوندی فتح ونصرت کی خوشخبری سنائی گئی ہے، مثلاً رگوید میں خدا سے اس طرح دُعائیں کی جاتی ہیں :

* اے روشن آگ ! تو جس پر متبرک تیل ڈالا جاتا ہے، ہمارے دشمنوں کو جلا دے، جن کی حفاظت خبیث روحیں کرتی ہیں۔(۱/ ۱۲: ۵)
* تو آریوں اور وسیوں کے درمیان امتیاز کر جو اَدھرمی ہیں، ان کو سزا دے اور انھیں اس کے حوالہ کردے جس کی گھاس (دیوتاؤں کے نذرانہ کے لئے) کی رکھی ہے۔ (۱/۵۱: ۸)
* پس اے اندر! ہم کو بڑھنے والی شوکت عطا کر، ہم کو وہ قہر اور طاقت عطا کر جو قوموں کو مغلوب کرے، ہمارے دولت مند سر دھروں کو برقرار رکھ، ہمارے راجاؤں کی حفاظت کر، ہم کو دولت اور خوراک شریف اولاد کے ساتھ عنایت کر۔(۱/ ۵۴: ۱۱)

بائبل نے مشرکین کی نسبت سے جو لب ولہجہ اختیار کیا ہے، اسے ان اقتباسات میں دیکھا جاسکتا ہے :

> بنی اسرائیل کو خطاب کر اور انھیں کہہ ! جب تم یرون سے پار ہو کر زمین کنعان میں داخل ہو تو تم ان سب کو جو اس زمین کے باشندے ہیں، اپنے سامنے سے بھگاؤ، ان کی مورتیں فنا کردو اور ان کے ڈھالے ہوئے بتوں کو توڑ دو اور ان کے سب اونچے مکانوں کو ڈھادو اور ان کو جو اس زمین کے بسنے والے ہیں خارج کردو اور وہاں

آبسو؛ کیوں کہ میں نے وہ سرزمین تم کو دی ہے کہ اس کے مالک بنو۔(۳۳:۵۰-۵۴)

اور جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالہ کر دے تو انھیں مار یو اور حرم کیجیو، نہ تو کوئی ان سے عہد کیجیو اور نہ ان پر رحم کریو، تم ان کے مذبحوں کو ڈھادو اور ان کے بتوں کو ڈھادو، ان کے گھنے باغوں کو کاٹ ڈالو اور ان کی تراشی ہوئی مورتیں آگ میں جلادو۔(۷:۲-۵)

غرض کہ ظالموں کے مقابلہ مظلوموں کے ساتھ اللہ کی مدد ہونا اور ظلم کو روکنے کے لئے ظالموں کا پنجہ تھامنا ایک ایسی بات ہے، جو تمام مذاہب کی مشترکہ تعلیم ہے؛ کیوں کہ اگر خدا بھی ظالموں ہی کا طرفدار ہو تو پھر کون سا ایوانِ انصاف ہوگا جہاں ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا ملے گی اور مظلوموں کی تسکین خاطر کا سامان ہوگا؟

پانچویں آیت

(۵) یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قَاتِلُوْا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُم مِّنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ۔(التوبۃ: ۱۲۳)

اے ایمان والو! تمہارے آس پاس جو کفار ہیں، ان سے جنگ کرو اور وہ تمہارے اندر سختی (مضبوطی) پائیں اور جان لو کہ اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ان کافروں سے جنگ کے لئے کہا گیا ہے جو ان کے قرب وجوار میں تھے، یعنی اہل مکہ اور ان کے حلیف؛ کیوں کہ یہی مدینہ کے قریب کافروں کی آبادیاں تھیں اور اہل مکہ کا مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک تھا وہ ظاہر ہے، اگر مطلقاً کافروں کے مارنے کا حکم ہوتا تو قریب و دور کے لوگوں میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا، مدینہ، یمن اور شام کے

درمیان رہگزر کا درجہ رکھتا تھا اور مختلف غیر مسلم قافلے مدینہ کے قرب وجوار سے گذرتے رہتے تھے، اگر یہ حکم مطلقاً ان سے متعلق ہوتا تو دور کے غیر مسلموں پر بھی حملہ کرنے کو کہا جاتا؛ لیکن یہاں قرآن نے ایسا حکم نہ دیا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کا منشاء ان مشرکین سے جنگ کرنا تھا جو بار بار مسلمانوں پر یلغار کرتے رہتے تھے، نہ رشتہ کا پاس ولحاظ کرتے تھے، نہ صلح اور معاہدہ کا لحاظ؛ چنانچہ ابن زیدؒ نے یہی کہا ہے کہ اس سے مراد مشرکین عرب تھے: ''المراد بهذه الآية وقت نزولها العرب''۔ (تفسیر قرطبی:۸/۲۹۷)

پھر اس آیت میں جو''غلظہ'' کا لفظ آیا ہے، اس کے معنی سختی کے بھی آتے ہیں اور طاقت ومضبوطی کے بھی، یہاں اصل میں یہی طاقت ومضبوطی کا معنی مراد ہے:''أی شدة وقوة وحمية'' (حوالہ سابق:۲۸۹) پس مقصد یہ ہے کہ جو مشرکین تم سے برسر جنگ ہیں وہ تم کو طاقتور محسوس کریں، مرعوب رہیں اور تم کو روند جانے کی جرأت نہ کریں، ظاہر ہے کہ کسی بھی قوم کو یقیناً دوسروں پر توظلم نہیں کرنا چاہئے؛ لیکن اپنے آپ کو ایسا طاقتور ضرور رکھنا چاہئے کہ دوسرے اس کو لقمۂ تر نہ سمجھ لیں، یہ بالکل معقول اور قرینۂ انصاف ہے، مثلاً ہم ہندوستان کے رہنے والے اپنے دیش کے بارے میں جذبہ رکھتے ہیں کہ ہم دوسروں پر زیادتی تونہیں کریں گے؛ لیکن ہم اپنے آپ کو یقیناً ایسا خود مکتفی بنا کر رکھیں گے کہ کسی کو ہم پر بری نگاہ ڈالنے کی ہمت نہ ہو، اگر ہم ایسا کہیں تو کیا یہ کوئی غلط بات ہوگی؟

چھٹی آیت

(۶) إِنَّ اللهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً فِيْ التَّوْرَاةِ وَالإِنجِيْلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُم بِهِ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (التوبۃ:۱۱۱)

بے شک اللہ نے مؤمنوں سے ان کی جان و مال اس کے بدلہ خرید لیا ہے کہ ان کے لئے جنت ہے، وہ اللہ کے راستہ میں جنگ کرتے ہیں، تو قتل کرتے بھی ہیں اور قتل کیے بھی جاتے ہیں، اسی پر سچا وعدہ ہے توریت اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہے؟ سو تم خوشی مناؤ اپنی معاملت پر جو تم نے کی ہے اور یہی تو بڑی کامیابی ہے، اس پر (ہماری طرف سے) سچا وعدہ ہے توریت اور انجیل اور قرآن میں، اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہے؟ سو تم خوشی مناؤ اپنی معاملت پر جو تم نے کی ہے اور یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں یہی بات تو کہی گئی ہے کہ جو مسلمان ظالموں کے خلاف سر ہتھیلی پر لے کر نکل آئیں اور اس راہ میں اپنی جان و مال کی بھی فکر نہ کریں، ان کو اللہ جنت سے نوازیں گے۔

قرآن کے اس ارشاد میں کون سی بات خلافِ انصاف ہے؟ کیا ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمیں اپنے دیش کی حفاظت میں سر دھڑ کی بازی لگا دینی چاہیے، ہندو مذہب کی تاریخ میں گیتا نے جس جنگ کی تفصیل بیان کی ہے، یعنی کوروؤں اور پانڈؤوں کی جنگ، اس میں کرشن جی، ارجن کو یہی صلاح دیتے ہیں کہ وہ اسے حق و باطل کی جنگ سمجھ کر کوروؤں کے خلاف صف آرا ہوں اور اس پر پانڈؤوں کے بادشاہ ارجن سے خدا کی مدد کا دعویٰ کرتے ہیں۔

ہندو مذہب میں منو جی کی ہدایات کی خاص اہمیت ہے، ان کا بیان ہے :

روئے زمین کے جو حکمراں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خواہش سے اپنی تمام قوتوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور کبھی منھ نہیں موڑتے وہ مرنے کے بعد سیدھے بہشت کی طرف جاتے ہیں۔ (۷/۸۹)

دیکھا آپ نے ! قرآن نے تو اللہ کے راستہ میں جوابی جنگ پر جنت کا وعدہ کیا ہے؛

لیکن منو جی محض دوسروں کو نیچا دکھانے کے لئے اور ملک گیری کی غرض سے جنگ کرنے والوں کو بھی جنت کی خوشخبری سناتے ہیں، قرآن کے اس ارشاد پر تو داد دینی چاہیئے، کہ اس نے ظالموں کے مقابلہ خود سپردگی کے بجائے، آخری حد تک جرأت وحوصلہ سے کام لینے کی تلقین کی ہے، کہ اگر مظلوموں میں یہ حوصلہ وہمت اور جوش وجذبہ نہ ہو، تو ظالموں کا پنجۂ استبداد سخت سے سخت تر ہوتا چلا جائے گا اور دنیا فساد کی آماجگاہ بن جائے گی۔

ساتویں آیت

(۷) **مَلْعُونِيْنَ، أَيْنَمَا ثُقِفُوْا أُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلاً۔** (الاحزاب:۶۱)

پھٹکارے ہوئے، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑ لئے جائیں گے اور ضرور قتل کر دیے جائیں گے۔

یہ بھی ان آیتوں میں سے ایک ہے جن کو وی، ایچ، پی نے قرآن مجید اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کا عنوان بنایا ہے، اس آیت کا اصل منشاء کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے اس سے پہلی اور بعد کی آیت کے ساتھ اس کا ترجمہ دیکھنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَئِن لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا إِلَّا قَلِيْلاً۔ (الاحزاب:۶۰)

منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے اور جو لوگ مدینہ میں افواہ اُڑاتے ہیں، اگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تو ہم ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے تمہیں اُٹھائیں گے، پھر وہ اس شہر میں آپ کے ساتھ کچھ ہی دنوں رہ سکیں گے۔

مَلْعُوْنِيْنَ، أَيْنَمَا ثُقِفُوْا أُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلاً۔ (الاحزاب:۶۱)

ایسے لوگوں پر پھٹکار ہے، یہ جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں

گے اور بری طرح مارے جائیں گے۔

سُنَّۃَ اللّٰہِ فِیۡ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِن قَبۡلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلاً۔

(الاحزاب:۶۲)

ان سے پہلے مجرمین کے لئے بھی اللہ کا یہی دستور رہا ہے اور تم اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

یہ آیات بلکہ تقریباً یہ پوری سورت بنیادی طور پر پانچ ہجری کے واقعات، غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنوقریظہ سے متعلق ہے، غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کے پڑوسیوں نے ان کے ساتھ ناقابل عفو دغا سے کام لیا تھا، مسلمانوں کا یہودیوں سے یہ معاہدہ تھا کہ مدینہ پر جب بھی کوئی حملہ ہوگا تو ہم لوگ مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے، صورتِ حال یہ تھی کہ اہل مکہ نے اس جنگ میں بلاکسی اشتعال اور سبب کے نہ صرف خود حملہ کیا؛ بلکہ اپنے دوسرے حلیف قبائل کو بھی لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑے، افرادی وسائل اور اسلحہ کے اعتبار سے مظلوم مسلمانوں اور حملہ آوروں کے درمیان اتنا فرق تھا کہ مسلمان جنگی تدبیر کے طور پر خندقیں کھودنے پر مجبور ہو گئے، اس موقع سے یہود مسلمانوں کی مدد تو کیا کرتے اور حسبِ معاہدہ مدینہ کی حفاظت میں کیا حصہ لیتے کہ وہ غیر جانبدار بھی نہ رہ سکے اور ان مشرکین کے ساتھ ہو لئے، اس کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ وہ تھے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے؛ لیکن ان کی ساری ہمدردیاں مسلمانوں کے دشمنوں سے تھیں، ان حالات میں مسلمانوں کی سب سے بڑی طاقت ان کا ایمان ویقین اور حوصلہ وہمت ہی تھی، یہ طرح طرح کی افواہیں اُڑا کر مسلمانوں کو خوف میں مبتلا کرنا چاہتے تھے: تاکہ ان کے حوصلے ٹوٹ جائیں اور یہ نفسیاتی طور پر کمزور ہو جائیں، یہی دونوں طبقے ہیں جن کو ''منافقین'' سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ مسلمانوں کو ذلیل ورسوا کرنے کے درپے بھی ہوتے تھے اور شریف مسلمان خواتین کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں اُڑایا کرتے تھے، ایسی افواہوں سے انسان نفسیاتی الجھن میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ان ہی گروہوں کے بارے میں قرآن مجید نے کہا کہ ان کا ایسے پڑوس اور بغلی دشمنوں کو اپنے ساتھ رکھنا مناسب نہیں ؛ کیوں کہ دوست نما دشمن انسان کے لئے زیادہ خطرناک ہوتا ہے، کوئی صاحبِ انصاف دیکھے کہ جو لوگ بظاہر کسی قوم کے ساتھ رہ کر یا کسی ملک کے شہری بن کر اسی قوم و ملک کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، ان کے دشمنوں سے خفیہ تعلقات رکھتے ہیں اور برے وقتوں میں سارے عہد و پیماں کو فراموش کر کے دشمنوں کے دوش بدوش کھڑے ہو جاتے ہیں، ایسے لوگوں کی سزا قتل اور پھانسی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟؟

پھر قرآن مجید نے ان پر پھٹکار بھیجتے ہوئے مسلمانوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ ان پر ہلہ بول دیں ؛ حالاں کہ اگر قرآن نے ایسا کہا ہوتا تو بے جا نہیں ہوتا ؛ لیکن یہاں حکم دینے کے بجائے صرف پیشین گوئی کی گئی ہے اور بار بار بے وفائی کرنے والوں کو سنبھلنے کا موقع دیتے ہوئے انتباہ دیا گیا ہے، کہ اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تو ان کا انجام دنیا میں بھی ہلاکت و بربادی ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ کی سنت یہی رہی ہے، یہ تحمل و بردباری قابل لحاظ ہے، اگر مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہوتا کہ تم کوئی مہلت دیے بغیر ان بغلی دشمنوں کا قلع قمع کردو، تب بھی یہ کوئی خلافِ انصاف بات نہیں ہوتی ؛ لیکن ایسی بدعہدیوں اور جفا شعاریوں کے باوجود سنبھلنے کا مزید موقع دیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو قتال کا حکم دینے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی سنت بیان کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے، وی، ایچ، پی کے لوگ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ ہم لوگ اس ملک کے شہری ہیں اور اس زمین سے محبت رکھتے ہیں، اگر اس ملک میں رہنے والے اور اس سے ہر طرح کا فائدہ اُٹھانے والے دشمن ملکوں کے ساتھ مل کر ملک کے خلاف سازشیں تیار کریں، جاسوسی کریں اور دشمنوں کے ساتھ جا ملیں تو آخر ان کی کیا سزا ہوگی؟ کیا انھیں گرفتار کرنا یا انھیں سزائے موت دینا خلافِ انصاف امر ہوگا؟ اور کیا آج دنیا کے مہذب قوانین میں ایسے شخص کے لئے بعینہٖ یہی سزا نہیں رکھی گئی ہے؟؟

کیا بہتر ہو کہ جناب اشوک سنگھل صاحب ان کلمات کو دیکھیں جو ہندو مذہبی کتابوں

میں مخالفین اور دشمنوں کے بارے میں ہیں، بطورِ نمونہ اتھر وید کے چند منتر یہاں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں :

* تمہاری گردنیں توڑ دے اے پشاچو! اور تمہاری پسلیاں چور چور کردے، اے یاتو دھانو! یہاں ہم شان کے ساتھ رہیں، اے متر اوارونا! تو حریص راکشسوں کو ماربھگا، ان کو کوئی جائے پناہ اور کوئی اطمینان کی جگہ نہ ملے؛ بلکہ وہ سب چڑ پھٹ کر اکٹھے موت کے منھ میں چلے جائیں۔(۲:۳۲:۶)
* ہمارے یہ دشمن بے ہاتھ کے ہوجائیں، ہم ان کے سست بازؤوں کو بے کار کردیں، اور اس طرح اے اندر! ہم ان کی ساری دولت آپس میں بانٹ لیں۔(۳:۶۶:۶)
* یاتو دھانوں کے دلوں کو تیر سے چھید ڈال اور ان کے بازؤوں کو جو تجھ پر حملہ کرنے کے لئے اٹھیں توڑ دے، ان شیطانوں کے سامنے بھڑک کر اے اگنی! انھیں مار گرا، مردار خوار چتکبرے گدھ اسے کھائیں، اس پلید کو آدمیوں میں سے آدم خور کی طرح تاک کر اس کے تینوں اوپر کے اعضاء کو توڑ ڈال، اپنے شعلوں سے اس کی پسلیوں کو کچل دے، اے اگنی! اس کے نیچے کے اعضاء کو تین ٹکڑے کردے۔(۸:۳:۶-۷-۱۰)
* اندر اور سوما! تو خبیث دشمن کو جلا دے، تباہ کر دے، اے دیوتا! آ جو رنج پر رنج پہنچاتے ہیں، انھیں نیچا دکھا، ان احمقوں کو نیست و نابود کر دے، جلا ڈال، ذبح کر دے، ہمارے پاس دفع کر اور ان بندۂ شکم راکشسوں کو ٹکرے ٹکرے کر دے۔ (۳: ۴: ۱، رگ وید ۱: ۸۷: ۵: ۱)

یہ محض بطورِ نمونہ چند مثالیں دی گئی ہیں، ورنہ دنیا میں جتنے مذاہب موجود ہیں، ان کے صحیفے—(اس سے قطع نظر کہ وہ تحریف وتبدیلی سے محفوظ ہوں یا تحریف کا شکار ہو چکے ہوں) —دشمنانِ حق کے خلاف جہاد کی ترغیب کی تعلیمات سے بھری پڑی ہیں؛ لیکن قرآن مجید کا منشاء بہرحال یہ نہیں ہے کہ جو غیر مسلم سامنے آئے مسلمان اسے تہہِ تیغ کر دیں؛ بلکہ ان آیات میں

وہ غیر مسلم مراد ہیں جو مسلمانوں سے برسر پیکار اور ان کو نیست و نابود کردینے کے درپئے تھے۔

آٹھویں آیت

(۸) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ (التحریم:۹)

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ انتہائی بدترین ٹھکانہ ہے۔

ان آیات کا پس منظر بھی وہی ہے جس کا پہلے بار بار ذکر آچکا ہے، دراصل اسلام میں غیر مسلموں کے تین گروہ کئے گئے ہیں: ایک وہ غیر مسلم جو مسلم ممالک میں ہوں، دوسرے وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کے ساتھ ''بقائے باہم'' کے معاہدہ کے تحت رہتے ہوں، جیسا کہ آج کے جمہوری ممالک ہیں، پہلے گروہ کو ''ذمی'' اور دوسرے کو ''معاہد'' کہتے ہیں، ان دونوں کی جان و مال کو کسی بھی طرح کا نقصان پہنچانا ناجائز اور سخت گناہ ہے، تیسرے قسم کے وہ غیر مسلم ہیں جو مسلمانوں سے برسر جنگ ہوں، ان سے قتال کا حکم ہے اور یہ آیات انھیں کے سلسلہ میں ہے ــــ اور یہ ایک فطری بات ہے کہ جب آپ پر کوئی شخص حملہ کرے تو آپ اپنی مدافعت کریں، تمام مذاہب اور قوانین میں انسان کو اپنی مدافعت اور حملہ آوروں کے خلاف اقدام کی اجازت دی گئی ہے، جہاں تک ایسے ظالموں سے جنگ کی ترغیب دینے کی بات ہے تو یہ ــــ جیسا کہ عرض کیا گیا ــــ تمام ہی مذاہب میں موجود ہے۔

کرشن جی کا ہندو مذہب میں جو اہم مقام ہے عامی سے عامی ہندو بھی اس سے واقف ہے؛ لیکن ارجن ــــ جو کورووں سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا ــــ کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے انھوں نے کیسی کیسی ترغیب دی، دنیا اور آخرت کی فلاح دکھائی اور حیات و موت کے فلسفے بیان کیے، گیتا ان رزمیہ مضامین سے پُر ہے۔

مثلاً کرشن جی ارجن سے فرماتے ہیں:

ہے ارجن! یہ جنگ ایک سورگ کا دروازہ ہے، جو تیرے لئے خود بخود کھل گیا ہے، ایسا موقع خوش قسمت کشتریوں ہی کو ملا کرتا ہے؛ لہٰذا اگر تو اپنے دھرم کی پیروی میں یہ جنگ نہ کرے گا تو اپنے دھرم اور شہرت کو برباد کرکے پاپ جمع کرے گا؛ بلکہ سب لوگ تیری کبھی نہ ختم ہونے والی مذمت کے گیت گاتے رہیں گے، یہ مذمت و بدنامی انسان کے لئے موت سے بدتر ہے۔(۲:۳۲-۳۴)

غور کیجئے! کہ قرآن نے تو حملہ آوروں کی مدافعت کی ترغیب دی ہے؛ لیکن کرشن جی ارجن کو اقدامی حملہ کی ترغیب دیتے ہیں، اور کرشن جی کے دوسرے مواعظ جو گیتا میں مذکور ہیں، ان سے یہ بات جھلکتی ہے کہ اس کا مقصد اصل میں کشور کشائی، غلبۂ و عزت اور ملک و مال کا حصول تھا نہ کہ ظالم کے ظلم کا سدِ باب —— تو ایک طرف اس بے مقصد جنگ کی ترغیب کو تو برا نہیں سمجھا جائے اور دوسری طرف جارح کے خلاف اقدام کرنے کو بھی زیادتی سمجھا جائے، یہ کس قدر خلافِ انصاف بات ہے!

مالِ غنیمت سے متعلق دو آیتیں

(۹) فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلاً طَيِّباً وَ اتَّقُوْا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (الانفال:٦٩)

جو مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے، اسے پاکیزہ اور حلال سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ معاف کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

(۱۰) وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ وَلِتَكُوْنَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطاً مُّسْتَقِيْماً۔ (الفتح:۲۰)

> اللہ نے تم سے بہت سارے مالِ غنیمت کا وعدہ کیا ہے، جسے تم پاؤ گے فوری طور پر تو فتح اس نے تمہیں عطا کر دی اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے خلاف اُٹھنے سے روک دیئے؛ تا کہ یہ مومنوں کے لئے ایک نشانی بن جائے اور اللہ سیدھے راستے کی طرف تمہیں ہدایت بخشے۔

دونوں آیتوں میں مالِ غنیمت کا ذکر ہے، اس کا ترجمہ وی-ایچ-پی کے پمفلٹ میں 'لوٹ کے مال' سے کیا گیا ہے اور یہ تصور دیا گیا ہے کہ مسلمان غیر مسلموں کا جو بھی مال لوٹ لیں، وہ ان کے لئے جائز اور حلال ہے — جیسا کہ بار بار واضح کیا جا چکا ہے — یہ محض ایک پروپیگنڈہ ہے، یہ آیات ہر غیر مسلم سے متعلق نہیں ہیں؛ بلکہ یہ ان لوگوں سے متعلق ہیں جو مسلمانوں سے برسر جنگ ہوں، کہ اگر مسلمان ان پر فتح پائیں اور جنگجو حضرات قید کر لئے جائیں، تو ان کے مال کا کیا حکم ہوگا؟ اس سلسلہ میں اُصول یہ بیان کیا گیا کہ وہ مالِ غنیمت ہوگا، عربی زبان میں مشقت کے بغیر کسی چیز کے حاصل ہونے کو ''غنم'' (''غ'' پر پیش یا زبر) کہتے ہیں، (القاموس المحیط: ۱۴۷۶) چوں کہ جنگ کے حاصل ہونے والے مال میں تجارت یا زراعت کی مشقت نہیں اُٹھائی جاتی، اس لئے اس کو ''مالِ غنیمت'' کہتے ہیں، غنیمت کا ترجمہ ''لوٹ کے مال'' سے قطعاً درست نہیں، لوٹ تو ایک غیر قانونی طریقہ ہے، اسلام میں یہ حکم ہے کہ جب کوئی قوم مسلمانوں سے برسر جنگ ہو اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو تو جہاں تک ممکن ہو باغات اور کھیتیوں کو تاخت و تاراج نہ کیا جائے، مکانات منہدم نہ کئے جائیں، اپنے طور پر شکست خوردہ لوگوں کا مال لے کر استعمال نہیں کیا جائے، ایک غزوہ کے موقع سے فوجیوں نے کچھ بکریاں لوٹ لیں اور ذبح کر کے پکانے لگے، رسول اللہ ﷺ نے اس پر بہت خفگی ظاہر فرمائی اور دیگیں الٹوا دیں۔

مالِ غنیمت کے سلسلہ میں اُصول یہ ہے کہ مفتوحین کے مال حکومت کے پاس جمع کئے

جائیں، اس میں سے پانچواں حصہ حکومت کے خزانہ میں محفوظ کردیا جائے اور اسے رعایا کی بھلائی کے لئے خرچ کیا جائے، یہ رقم مسلمان رعایا پر بھی خرچ ہوگی اور غیر مسلم رعایا پر بھی، اس زمانہ میں فوجیوں کے لئے الگ ''تنخواہ'' نہیں ہوا کرتی تھی اور ان میں جنگ میں حاصل ہونے والے مال کے بقیہ چار حصے تقسیم کردیے جاتے تھے، بعض صورتوں میں حکومت اپنے اختیارِ تمیزی اور عوامی مصلحت سے کسی مال کو روک بھی سکتی ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی مفتوحہ اراضی مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں فرمائی؛ بلکہ بیت المال کی ملکیت میں باقی رکھا، بہر حال تقسیم کے بعد جو مال جس کے حصہ میں پڑے گا، وہ اس کا مالک سمجھا جائے گا، اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مالِ غنیمت ہر غیر مسلم کے مال کو نہیں کہیں گے؛ بلکہ دشمن ملک کے حاصل شدہ مال کو مالِ غنیمت کہا جائے گا اور ایسا بھی نہ ہوگا کہ جس کے ہاتھ میں جو آئے وہ اس پر قابض ہوجائے؛ بلکہ قانونی طریقہ پر ہی کوئی شخص اس مال کا مالک ہوسکتا ہے۔

اب اس بات کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مالِ غنیمت کا تصور دنیا کے تمام نظام ہائے قوانین اور مذاہب میں رہا ہے، اسلام سے پہلے عرب کے قریب ایرانیوں اور رومیوں کی حکومت تھی، ایرانیوں کے یہاں بھی یہی اُصول تھا کہ وہ مفتوحین کے مال پر قبضہ کرلیتے تھے، رومی تورات کے قانون کو مانتے تھے، یہودی بھی اسی قانون پر عقیدہ رکھتے ہیں ،اب دیکھئے کہ بائبل میں مالِ غنیمت کی بابت کیا کہا گیا ہے :

> اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کردیوے، تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر، مگر عورتوں اور لڑکوں اور مویشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو، اس کی ساری لوٹ اپنے لئے لے اور تو اپنے دشمن کی اسی لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے ،کھائیو۔(استثناء:۲۰:۱۲-۱۴)

توریت میں جابجا مفتوحین کو لوٹنے کا ذکر ہے، یہاں ان سب کا تذکرہ درازیٔ کلام کا

باعث ہوگا؛ لیکن اس سلسلہ میں خاص طور پر ''گنتی'' اور ''استثناء'' نامی صحائف کو پڑھا جاسکتا ہے۔

اب خود ہمارے ہندو بھائی ایک نظر اپنی مذہبی کتابوں پر ڈالیں، رگ وید میں ہے :

اے اگنی ! تیرے مالدار پجاری خوراک حاصل کریں اور امراء بڑی عمریں پائیں ، ہم اپنے دشمنوں سے لڑائی میں مالِ غنیمت حاصل کریں اور دیوتاؤں کو ان کا حصہ نذر کریں ، اے اگنی ! ہم تیری مدد سے گھوڑوں کے ذریعہ گھوڑے، آدمیوں کے ذریعہ آدمی اور بہادروں کے ذریعہ بہادر فتح کریں۔ (۱:۷۴:۵،۹)

یجر وید میں ہے :

یہ اگنی ہم کو وسیع مکان اور آرام و آسائش بخشے اور ہمارے دشمنوں کو ہمارے آگے مارتے بھگائے چلے، وہ مالِ غنیمت حاصل کرنے کی جنگ میں مالِ غنیمت لوٹے ، وہ اپنی فاتحانہ پیش قدمی میں دشمنوں کو زیر کرے۔ (۸:۴۴)

سام وید میں ہے :

اے چابک دست بہادرو! کنوا کے بیٹوں کے ساتھ بے دھڑک ہوکر ہزار دو ہزار مالِ غنیمت لوٹ ، اے سرگرم کار مگھون ! پرشوق دُعاؤں کے ساتھ ہم زرد رنگ کے مال اور گایوں کے ایک بڑے گلے کی تمنا کرتے ہیں ۔ (۲ : ۲ : ۱۲ : ۳)

اتھر وید میں کہا گیا ہے :

دشمن خالی ہاتھ ہوجائے ، ہم ان کے اعضاء کو مفلوج کردیں اور اس طرح اے ذوالجلال سپہ سالار اندر! ہم ان کی ساری دولت آپس میں سینکڑوں کی طرح سے بانٹ لیں۔ (۳:۶۶:۶)

پنڈت کشیم کرن داس ترویدی جی نے اس اشلوک کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے :

فاتح بہادر دشمنوں کو فتح کر کے سپہ سالار کی ہدایت کے مطابق
حکومت کا حصہ نکال کر ان کے مال دولت کو تقسیم کر لیں۔

(قرآن مجید پر اعتراضات: ۱۷ بحوالہ ہندی ترجمہ: کشیم کرن داس)

اتھر وید میں ایک اور اشلوک اس طرح ہے :

اے سپہ سالار! اپنے بہادروں میں طاقتور شخص کو زرہ پہنا دے
اور دشمنوں میں ہرن کی طرح بزدلی پیدا کر دے، دشمن الٹے منھ
چلا جائے، زمین ہماری طرف آجائے۔ (۳:۶۷:۶)

''منوسمرتی'' ہندو مذہب میں قانون کی کتاب کے درجہ میں ہے اور اسی قانون پر ہندو سماج کی اور نظامِ حکومت کی اساس ہے، منوجی فرماتے ہیں :

رتھ، گھوڑے، ہاتھی، چھتر، مال و دولت، جانور، عورت، گڑ، نمک،
مادی چیزیں، تانبا، پیتل وغیرہ چیزیں ان میں جس چیز کو جو جیت کر
لاتا ہے، وہ اسی کا ہوتا ہے۔ (منوسمرتی: ۷: ۹۵، ۹۶)

آج بھی جب کوئی ملک دوسرے ملک پر فتحیاب ہوتا ہے تو مفتوحہ علاقوں میں جو چیز فاتحین کو ہاتھ آتی ہے، وہ اسے اپنی صوابدید سے تقسیم کرتے یا استعمال کرتے ہیں؛ لیکن اسلام میں یہ ضروری نہیں کہ لامحالہ مفتوحین کے مال پر قبضہ کر ہی لیا جائے، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مسلم حکومت ان چیزوں کو مفتوحین کی ملکیت میں رہنے دیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ غزوۂ خیبر کے موقع پر کیا تھا۔

جزیہ

(۱۱) قَاتِلُوْا الَّذِیْنَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَلاَ بِالْیَوْمِ الآخِرِ وَلاَ
یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ وَلاَ یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ
الَّذِیْنَ أُوتُوْا الْکِتَابَ حَتّٰی یُعْطُوْا الْجِزْیَةَ عَنْ یَدٍ وَهُمْ

صَاغِرُوْنَ۔ (التوبۃ:۲۹)

جو کتاب والے اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں ٹھہراتے ہیں اور دین حق کو اختیار نہیں کرتے ہیں، ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ رعیت بن کر جزیہ دینے لگیں۔

اس میں وی، ایچ، پی والوں نے ''حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَدٍ وَّ ھُمْ صَاغِرُوْنَ'' کا ترجمہ کیا ہے: ''ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہوکر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دینے لگیں''؛ حالاں کہ یہاں ''صاغرون'' سے مراد فاتحین کے اقتدار کو تسلیم کرنا ہے، یعنی مفتوح فاتح کے مقابلے اپنے رعایا ہونے کی حیثیت کا اعتراف کرلے، جیسا کہ آج بھی ہتھیار ڈالنے والے ممالک اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہیں، اس کا مقصد تحقیر وتذلیل نہیں ہے، جیسا کہ وی، ایچ، پی کے پروپیگنڈہ باز ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

جزیہ سے مراد وہ خصوصی ٹیکس ہے، جو اسلامی حکومت غیر مسلم رعایا سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے طور پر وصول کرتی ہے، صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ واجب ہے، جسے حکومت وصول کرتی ہے، اگر غیر مسلموں پر بھی زکوٰۃ واجب قرار دی جاتی تو یہ انھیں ایک اسلامی عمل پر مجبور کرنے کے مترادف اور مذہبی آزادی کے مغائر ہوتا، اس لئے ان پر ایک جداگانہ ٹیکس جزیہ کے نام سے لگایا گیا، جو ان کی جان و مال کے حفاظتی نظام کا معاوضہ ہے، یہ ان کے حالتِ کفر میں ہونے کا تاوان نہیں، اگر ایسا ہوتا تو عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں، معذوروں، بے روزگاروں اور مذہبی طبقہ یعنی پادری، پنڈت وغیرہ سبھوں پر واجب قرار دیا جاتا؛ لیکن ان حضرات کو جزیہ سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، (دیکھئے: ہدایہ: ۴/۳۱۸) اس لئے اس کی حیثیت محض ایک ٹیکس کی ہے نہ کہ تاوان کی۔

پھر اس جزیہ کی مقدار بھی کس قدر معمولی ہے؟ کم آمدنی والوں کے لئے سالانہ ۱۲/درہم،

متوسط آمدنی والوں کے لئے سالانہ ۲۴ /اور زیادہ آمدنی والوں کے لئے ۴۸ /درہم، (**بیہقی:** ۳۲۹/۹، حدیث نمبر: ۱۸۶۸۵، **باب الزیادۃ علی الدینار بالصلح**) ۱۲ /درہم ۳/تولہ سے کچھ کم چاندی ہوتی ہے، موجودہ نرخ کے لحاظ سے ۱۲ /درہم ۲۶۵ روپیہ سے کچھ کم وبیش ہے، آپ حضرات غور کریں کہ اگر کوئی مملکت کسی شہری کی حفاظت اور سیکوریٹی پر سال بھر میں اتنا حقیر معاوضہ وصول کرے تو کیا یہ زیادتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہماری حکومت اتنے پیسے لے کر باشندگانِ ملک کی حفاظت کا انتظام کردے اور ان کے تحفظ کی ضمانت قبول کرے تو ہم شکرگذار ہوں گے، یہ ہے اس جزیہ کی حقیقت جس کو لے کر معاندین نے ایک طوفان کھڑا کیا ہوا ہے اور اس کو اسلام کے خلاف ظلم وزیادتی، تشدد اور ناروا داری کا عنوان دیا گیا ہے۔

مشرکین ناپاک ہیں؟

(۱۲) **يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوْا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَـٰذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔** (التوبۃ:۲۸)

اے ایمان والو! مشرکین تو بے شک ناپاک ہیں، سو اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں اگر تم کو مفلس کا اندیشہ ہو سو اللہ تمہیں اگر چاہے گا، اپنے فضل سے (ان سے) بے نیاز کردے گا، اللہ خوب جاننے والا ہے، بڑا حکمت والا ہے۔

اس آیت کے سلسلہ میں چند نکات ملحوظ رکھے جانے چاہئیں:

(۱) یہاں مشرک سے صرف بت پرست (مورتی پوجک) مراد نہیں ہیں، جیسا کہ وی، ایچ، پی والوں نے آیت کا ترجمہ کیا ہے؛ بلکہ وہ تمام لوگ شامل ہیں جو خدا کی ذات یا اس کی مخصوص صفات واختیارات میں دوسروں کو شریک ٹھہرائیں، خواہ وہ بت کا پرستار ہو، یا کسی پیغمبر کو خدا کا درجہ دیتا ہو، یا اللہ کے کسی نیک بندہ کو خدا کی قدرت واختیار میں ساجھے دار سمجھتا ہو

، جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ؛ لیکن انھوں نے خدانخواستہ غیر اللہ کو خدا کا درجہ دے رکھا ہو اور رسول اور اولیاءؒ کی ذات میں وہ اختیارات مانتے ہوں ، جو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں ، تو وہ بھی مشرک کا مصداق ہیں ۔

(۲) مشرکین کو ’’ ناپاک ‘‘ کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کا جسم ناپاک ہے ، ان کے کپڑے ناپاک ہیں ، یا ان کا جھوٹا ناپاک ہے ، پیغمبرِ اسلام ﷺ نے غیر مسلموں کی مہمان نوازی کی ہے ، خود ان کی دعوت قبول فرمائی ہے ، مسجدِ نبویؐ میں ان کو ٹھہرایا ہے ، اپنے بستر پر انھیں بٹھایا اور سلایا ہے ، اگر انھیں جسمانی اعتبار سے ناپاک سمجھا جاتا تو کس طرح آپ ﷺ ایسا عمل فرماتے ، اس لئے یہاں عقیدہ اور فکر کی ناپاکی مراد ہے ، یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی شخص کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ناکام عزائم رکھتا ہے ، یا آپ کہتے ہیں کہ فلاں دہشت گردوں کے ناپاک منصوبے ناپاک کر دیئے گئے ، یہاں ناپاکی سے عمل اور سوچ کی غلط اور مبنی بر خطا ہونے کا اظہار کیا جاتا ہے ، گویا اس آیت میں شرک کے نہایت غلط اور خلافِ واقعہ عمل ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

(۳) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات اور شرک کی نفی صرف اسلام ہی نے نہیں کی ہے ، بلکہ یہ تمام ہی مذاہب کی اصل تعلیمات ہیں ، بائبل میں جگہ جگہ شرک کی مذمت آئی ہے اور ہمارے عیسائی بھائی جو آج تین کے مجموعہ (Trinity) کو خدا مانتے ہیں ، ان کے پاس اس دعویٰ کے لیے بائبل کا کوئی صریح فقرہ موجود نہیں ہے ، اس لئے وہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ تین مل کر ایک ہی ہیں ، ہندو مذہبی کتابوں میں بھی خدا کے بارے میں بہ تاکید وحدانیت کا ذکر ہے ، شرک کی نفی ہے ، کہا گیا ہے کہ خدا جسم والا نہیں ہے ، وہ تنہا پورے عالم کا احاطہ لئے ہوئے ہے ، اس سلسلہ میں پنڈت دیانند جی سرسوتی نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ’’ ستیارتھ پرکاش ‘‘ میں بت پرستی کی تردید میں ہندو مذہبی کتابوں کے جو حوالے نقل کئے ہیں ، وہ بہت ہی چشم کشا ہیں اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل ہندو مذہب توحید ہے نہ کہ شرک ، اسی

کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے ویدوں کے چند حوالے یہاں ذکر کئے جاتے ہیں :

* وہ محیط، پاک اور جسم سے خالی ہے۔(یجر وید: ۴۰: ۸)
* میں افضل ترین قوت ونعمت کا منبع ،سورج کی طرح تمام عالم کو منور کرتا ہوں، میں نہ کبھی مغلوب ہوتا ہوں اور نہ مرتا ہوں ، یہ تمام عالم جو نعمتوں کا مخزن ہے اس کا خالق میں ہوں ،تم مجھے ہی اس دنیا کا خالق اور مبتدا سمجھو، اے اہل علم ! تم نعمت وحشمت کے حصول کے لیے کوشاں رہ کر علم وغیرہ نعمتوں کے لیے مجھ ہی سے التجا کرو ،میری رفاقت سے کبھی روگرداں نہ ہو۔(رگ وید: ۵: ۸: ۴۸: ۱۰)

رگ وید ہی کے یہ ارشادات کس قدر بصیرت مندانہ اور عقیدۂ توحید کے بارے میں واضح ہیں :

* اے بنی نوعِ انسان ! میری حقیقی حمد وثنا ، راست گوئی ہے، ایسی حمد کرنے والے انسان کو میں ازلی علوم وغیرہ نعمتیں عطا کرتا ہوں ...... اس لئے عالم میں جو اشیاء موجود ہیں ، ان کا خالق اور قیوم میں ہوں ، اس لئے تم مجھے چھوڑ کر کسی اور کی عبادت مت کرو اور نہ کسی کو میری جگہ معبود مانو اور جانو۔(اتھر وید: ۱۰/۴۹: ۱)

پنڈت سرسوتی جی نے کینو پنشد (۱: ۶) کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کی صفات کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے :

> جسے آنکھ سے نہیں دیکھا جاسکتا ؛ بلکہ آنکھ جس کی قدرت سے دیکھنے کے قابل ہوتی ہے ، اسے ہی تم خدا سمجھو، آنکھ سے دکھلائی جانے والی جن چیزوں کی لوگ عبادت کرتے ہیں، وہ خدا نہیں ہیں۔

ہندو مذہب کی اہم معتبر کتابوں کی عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کو ایک ماننا اور اس میں کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرانا ، یہی اصل ہندو دھرم ہے،تو مشرکوں کو ناپاک کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے آپ کو ہندو کہے اور اصل مذہب پر عمل نہ کرے، جو اپنے آپ کو یہودی

کہے اور اصل یہودی مذہب پر عمل نہ کرے، جو اپنے آپ کو عیسائی کہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات پر عمل نہ کرے، جو اپنے آپ کو مسلمان کہے اور اس کا عقیدہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہ ہو، وہ اپنے خیال وعقیدہ کے اعتبار سے ناپاک ہیں۔

(۴) جو لوگ کسی دھرم کا نام لیتے ہوں اور اس کی اصل تعلیم پر عمل نہ کرتے ہوں ان کو ہر مذہب میں عقیدہ کے بگاڑ کے اعتبار سے خراب نام دیئے گئے ہیں، جن لوگوں نے بائبل کا مطالعہ کیا ہے، وہ اس سے خوب واقف ہیں کہ اس کتاب میں بہت سے مواقع پر شرک کرنے والے کو کسبی، فاحشہ، زانی، بدکار وغیرہ کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے، دھرم پر عمل کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے درمیان فرق ہندو مذہب کی کتابوں میں بھی زیادہ سخت لب ولہجہ میں ملتا ہے ''دسیو'' اور ''داس'' کے نام سے ہندوستان کے اصل کالے باشندوں کو ویدوں میں یاد کیا جاتا ہے، جو آریہ لوگوں کے مذہب پر نہیں تھے، اس قوم کے بارے میں ویدوں کے کلمات ملاحظہ کیجئے :

* ہمارے گرد وہ دسیو ہیں جن کا کوئی دھرم نہیں ہے، عقل سے محروم، انسانیت سے خارج۔ (رگ وید:۱۰:۲۲:۲:۸)
* اے بہادر! تو نے لڑائیوں میں بیل جیسے جبڑے والے داسوں کے جادوٹونے تک کو مغلوب کرلیا۔ (رگ وید:۷:۹۹:۴)

تو اپنے ہتھیار سے نکٹے دسیوں کو قتل کرتا ہے۔ (رگ وید:۵:۲۹:۱)

کہیں ان لوگوں کو ''سیاہ رو'' مخلوق سے تعبیر کیا جاتا ہے، (رگ وید:۶:۲۱) کہیں انھیں ''گھن کھائے درخت'' کہا جاتا ہے، (رگ وید:۸:۴:۶) کہیں ''کالے غولوں'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، (سام وید:۴:۲:۴:۱۱) ویدوں میں اَدھرمی لوگوں کے لئے حریص راکشش اور خبیث دشمن وغیرہ کے نام دیئے جاتے ہیں۔

اب انصاف کی نظر سے دیکھا جائے کہ قرآن نے تو ایک جگہ مشرکین کو ناپاک کہا ہے؛

لیکن ویدیں اس مذہب کے مخالفین کو خبیث، بیل جیسے جبڑے والے، نکٹے، سیاہ رو، عقل سے محروم، انسانیت سے خارج، بدذات، پاپی، حریص، راکشش وغیرہ کے الفاظ بے تکلف کہتی ہیں؛ بلکہ اتھروید میں آدھرمی لوگوں کے لیے بعینہٖ ''ناپاک'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے :

> یا تو دھانوں کے دلوں کو تیر سے چھید ڈال اور ان کے بازوؤں کو جو تجھ پر حملہ کرنے کے لئے اٹھیں، توڑ دے، ان شیطانوں کے سامنے بھڑک کر اے اگنی! انھیں مار گرا، مردار خوار چتکبرے گدھ اسے کھائیں، اس ''پلید'' کو آدمیوں میں سے آدم خور کی طرح تاک کر اس کے تینوں اوپر کے اعضاء کو توڑ ڈال۔ (اتھروید: ۸: ۳: ۶-۷-۱۰)

(۵) یہ تو وہ القاب ہیں جو ادھرمی لوگوں کو دیئے گئے ہیں؛ لیکن منوجی کی تعلیمات میں عقیدۂ وفکر کی بنیاد پر نہیں؛ بلکہ نسل وخاندان کی بنیاد پر شودروں کو نہایت ذلیل وحقیر القاب دیئے گئے ہیں اور ان کے بارے میں وہ احکام دیئے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شودر جسمانی طور پر پیشاب، پائخانہ کی طرح ناپاک اور قابل اجتناب ہیں، اس سلسلہ میں میں ہندو مآخذ میں اتنا کچھ ہے کہ اگر ان سب کو نقل کیا جائے تو ایک رسالہ بھی ناکافی ہے، چند نمونے یہاں ذکر کئے جاتے ہیں :

- ہاتھی، گھوڑے، شودر قابل نفرت ملیچھ لوگ، شیر، تیندوے اور سور (پنر جنم کے) وہ ادنیٰ درجے ہیں، جو تاریکی سے حاصل ہوتے ہیں۔ (منوسمرتی: ۴۳: ۱۲)
- شودر کا کھانا نہ کھائے۔ (منوسمرتی: ۲۱۱: ۴)
- شودر کی لڑکی کو اپنے پلنگ پر بٹھانے سے نرک (دوزخ) میں چلا جاتا ہے۔ (منوسمرتی ۱۷: ۳)

✳ اگر برہمن بھولے سے شودر کا کھانا کھالے تو تین دن تک اُپاس کرے (بھوکا رہے) اور اگر جان بوجھ کر کھالے تو اس کا کفارہ وہی ادا کرے جو حیض، پائخانہ، یا پیشاب پینے اور کھانے والے کے لیے مقرر ہے۔ (منوسمرتی: ۲۲۲:۴)

✳ غذا سور کی بدبو سے، کتے کی نظر سے اور شودر کے چھونے سے گندی ہو جاتی ہے۔ (منوسمرتی: ۲۹۱:۳)

ان تصریحات سے جو نہ صرف منوشاستر میں ہیں؛ بلکہ ایسی بعض عبارتیں ویدوں میں بھی موجود ہیں، اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انسانیت کے ایک طبقہ کو ہندو مذہب کے موجودہ مآخذ کی روایت کے مطابق کس نظر سے دیکھا گیا ہے؟

تاہم مجھے یقین ہے کہ اصل ہندو مذہبی کتابوں میں ایسی ظلم و زیادتی کی باتیں اور غیر انسانی تصورات نہیں ہوں گے، یہ مذہب کی اصل کتابوں میں آمیزشوں اور ملاوٹوں کا نتیجہ ہوگا، ہمیں ہندو مذہب میں ذکر کیے جانے والے بزرگوں اور علماء کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں ہے کہ انھوں نے ایسی غیر انسانی باتیں کہی ہوں گی؛ بلکہ یقیناً ایسی غلط باتیں کچھ لوگوں نے دوسروں کے استحصال اور اپنی مقصد براری کے لئے ان کی طرف منسوب کردی ہوں گی۔

غیر مسلموں سے دوستی

اس پمفلٹ میں ان آیات کو بھی خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے، جن میں کفار کی عداوت اور ان سے دوستی نہیں رکھنے کا ذکر ہے، وہ آیات اس طرح ہیں:

(۱۳) وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلاَةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنا۔ (النساء:۱۰۱)

اور جب تم ملک میں سفر کرو تو تم پر حرج نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کرو

، اگر تم کو اندیشہ ہو کہ کافر تم کو ستاویں گے، بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

(۱۴) يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيراً مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُوْ عَن كَثِيْرٍ قَدْ جَاءكُم مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ۔ (المائدہ:۵۱)

اے ایمان والو! تم یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان کو دوست بنائے گا، وہ انھیں میں سے ہوگا، بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتے ہیں۔

(۱۵) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُواً وَلَعِباً مِّنَ الَّذِيْنَ أُوتُوْا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءوَ اتَّقُوْا اللّٰهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْنَ۔ (المائدہ:۵۷)

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب (آسمانی) مل چکی ہے اور وہ ایسے ہیں کہ انھوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، ان کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اگر تم ایمان والے ہو۔

(۱۶) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا آبَاءكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاء إِنِ اسْتَحَبُّوْا الْكُفْرَ عَلَى الإِيْمَانِ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ۔ (التوبۃ:۲۳)

اے ایمان والو! اپنے باپوں اور بھائیوں کو اپنا دوست مت بناؤ، اگر وہ ایمان کے مقابلہ کفر کو پسند کریں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا، تو ایسے ہی لوگ ظالم ہوں گے۔

پہلی آیت (النساء: ۱۰۱) میں بھی اہل مکہ کا بیان ہے کہ یہ تمہارے کھلے ہوئے اور سخت دشمن ہیں، کہیں مسلمان کسی مرحلہ پر دھوکہ نہ کھا جائیں اور ان کی دوست نما دشمنی کا شکار نہ ہو جائیں، یہ آیت بھی انھیں مشرکین مکہ سے متعلق ہے۔

چنانچہ اس آیت کے بعد ''نمازِ خوف'' کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، (نساء: ۱۰۲) کہ جب جنگ کی حالت ہو اور دونوں طرف سے فوجیں صف آرا ہوں، اس وقت مسلمانوں کو کس طرح نماز ادا کرنی چاہئے؟ کیوں کہ اہل مکہ سے اس وقت پے درپے معرکے درپیش تھے، یہ آیت تمام غیر مسلموں سے متعلق نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کا عمل اس کی واضح دلیل ہے، آپ ﷺ نے مدینہ میں یہودیوں سے معاہدہ کیا، نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ کیا، بنوخزاعہ کافر تھے؛ لیکن مسلمانوں کے حلیف اور دوست تھے، اس طرح کے معاہدے آپ ﷺ نے بعض اور غیر مسلم قبائل سے بھی کئے ہیں، اگر کفار سے مطلقاً دوستی کی اجازت نہ ہوتی اور وہ سب کے سب دشمن قرار دیئے جاتے، تو آپ ﷺ نے کیسے ان غیر مسلم قبائل کو اپنا حلیف بنایا ہوتا؟

دوسری اور تیسری آیت کا پس منظر یہ ہے کہ مسلمان بار بار یہودیوں سے معاہدہ کرتے تھے اور یہودی اس وعدہ کی خلاف ورزی کرتے تھے، یہاں تک کہ غزوۂ خندق میں تو انھوں نے اہل مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی بیخ و بن اکھاڑ دینے کی کوشش کی، یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو متہم کرتے تھے اور ولد الزنا ٹھہراتے تھے، حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگاتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لعنت بھیجتے تھے، قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کو پوری قوت کے ساتھ بیان کیا، ان پر اور ان کی والدہ پر جو تہمتیں لگائی جاتی تھیں، اس کی تردید کی؛ لیکن ہوا یہ کہ وہ بجائے اس کے کہ مسلمانوں کو تقویت پہنچاتے اور اسلام کی دعوت کو قبول کرتے، اپنے پیغمبر کو گالی دینے والے یہودیوں کے ساتھ مل بیٹھے، اس لئے مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ انھیں اپنا راز دار نہ بنائیں؛ کیوں کہ ایسے شدید اختلاف کے باوجود مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے میں یہود و نصاریٰ اور کفارِ مکہ ایک دوسرے کے

ساتھ ہیں، عقیدۂ ومذہب کے تضاد کی وجہ سے مسلمان انھیں اپنا راز دار بنا کر کہیں نقصان نہ اُٹھالیں۔

پانچویں آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ بہ مقابلہ خونی رشتہ کی محبت کے مذاہب اور عقیدہ کا تعلق زیادہ اہم ہے، یعنی اگر کوئی شخص ایمان لے آیا ہو، اس کے آباء واجداد، بھائی بہن کفر کی حالت میں ہوں، تو ایسا نہ ہو کہ اپنے اعزہ اور اقارب کی محبت اور ان کا تعلق اسے حق کی راہ سے منحرف کردے؛ کیوں کہ جہاں حق اور ناحق کا مقابلہ ہو اور دو ایسی باتوں کا ٹکراؤ ہو جن میں ایک طرف حق اور سچائی ہو اور دوسری طرف رشتۂ وقرابت، تو سچائی کو رشتوں پر ترجیح دینی چاہئے، یہ تو اعلیٰ اخلاقی تعلیم ہے اور ہر قوم کے لئے ہے کہ جس چیز کو وہ حق اور انصاف سمجھتی ہو اسے دوسرے تمام تعلقات پر غالب رکھے، اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو غیر مسلم اقرباء ہوں ان سے مسلمانوں کو نفرت کرنی چاہئے، ان کے ساتھ حسن سلوک نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ آپ ﷺ نے ہر حال میں رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ نے غیر مسلم کی عیادت کی ہے، مکہ میں قحط پڑا تو آپ ﷺ نے کفارِ مکہ کے لئے امداد بھجوائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک مشرک عزیز کے لئے ریشمی عباء بھیجی، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی والدہ ان کے مسلمان ہونے پر ناراض تھیں اور انھوں نے احتجاجاً کھانا کھانا چھوڑ دیا تھا، آپ ﷺ نے انھیں نصیحت کی کہ اسلام پر قائم رہنا بھی ہے؛ لیکن اس کا بھی لحاظ رکھنا ہے کہ والدین کے ساتھ بدسلوکی نہ ہو، اگر غیر مسلم رشتہ داروں سے نفرت کی تعلیم دی گئی ہوتی، تو مسلمانوں نے اس طرح حسن سلوک کیوں کیا ہوتا؟ اصل یہ ہے کہ موالات سے ہر طرح کی دوستی اور تعلق مراد نہیں ہے؛ بلکہ ایسی دوستی مراد ہے جو انسان کے فکر وعمل پر اثر انداز ہونے لگے اور کسی گروہ کی رازدارانہ باتیں جن کا دوسروں تک پہنچنا اس گروہ کے لئے ضرر کا باعث بن سکتا ہو، پہنچنے نہ دے، ایسے گہرے تعلق کو اصل میں ''موالات'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ تعلق کے مختلف درجات ہیں، ان کو ایک ممتاز صاحبِ علم حضرت

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ تعلقات چار طرح کے ہوسکتے ہیں : مدارات ،مواساۃ ،معاملات اور موالات ، مدارات : دوستانہ برتاؤ اور خوش خلقی کا نام ہے، یہ غیر مسلموں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ جائز ہے؛ بلکہ انھیں اس کا حکم دیا گیا ہے،مواساۃ: غمگساری ونفع رسانی اور مالی تعاون سے عبارت ہے،غیر مسلموں کے ساتھ بھی مواساۃ کا حکم دیا گیا ہے، تیسرے معاملات ، یعنی مالی کاروبار جیسے تجارت ، ملازمت وغیرہ ، اس میں بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کوئی فرق نہیں ، چوتھا درجہ موالات کا ہے،موالات سے مراد ایسی دوستی ہے کہ آدمی دوسرے کی تہذیبی وتمدنی اثرات کو قبول کرنے لگے اور اپنے رازہائے سربستہ کو دوسروں تک پہنچائے جس سے اسے مضرت بھی پہنچ سکتی ہے ،قرآن نے اسی درجۂ تعلق ''موالات'' سے منع کیا ہے : ''أ لا تجعلوا خاصتکم وبطانتکم منھم'' (تفسیر قرطبی : ۳/ ۲۷۲)اسی ممانعت کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان شادی بیاہ کا تعلق نہیں ہوسکتا ،وہ ایک دوسرے سے میراث کے حق دار نہیں ہوتے ۔

پس دو باتیں ان آیات کے بارے میں ذہن میں رکھنے کی ہیں : اول یہ کہ یہ آیات بھی ان کفار کے پس منظر میں ہیں جن سے اس وقت مسلمانوں کا سابقہ تھا، دوسرے اس میں ہر طرح کی دوستی کی ممانعت نہیں ہے ؛ بلکہ ایسی دوستی کی ممانعت ہے جس میں مسلمان اپنی تہذیبی اور تمدنی قدروں سے محروم ہوجائیں ، وہ دوسری قوموں کے ساتھ تہذیبی اور فکری اعتبار سے جذب ہونے لگیں ، یا جن لوگوں سے ان کا اختلاف ہے ان تک اپنے ایسے راز واسرار کو پہنچانے لگیں جو پوری قوم کے لئے نقصان دہ اور مضرت رساں ہوں —— میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی قوم اگر اپنی تہذیب کی حفاظت اور بچاؤ کی کوشش کرتی ہے،تو یہ کوئی مذموم وناپسندیدہ بات نہیں ،آج تو تمام تہذیبی اکائیوں کے لیے عالمی سطح پر اس حق کو تسلیم کیا جاتا ہے، کہ اپنے تمدن کی حفاظت کریں اور اسے کھونے نہ پائیں ،خود ہمارے اس ملک میں چھوٹی چھوٹی تہذیبی اکائیوں کی رعایت سے بعض ریاستوں میں خصوصی قوانین ہیں، وہاں دوسرے لوگ زمینیں بھی

نہیں خرید سکتے ، نیز ملکی قوانین کی جگہ بعض امور میں ان کے روایتی قانون کو ترجیح دی جاتی ہے، اس لئے یہ کسی گروہ کے خلاف نفرت کی تعلیم نہیں ؛ بلکہ مسلمانوں کو مختلف مذہبی اکائیوں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اپنی ثقافت کو برقرار رکھنے اور اپنے مذہبی اقدار پر ثابت قدم رہنے کی تعلیم ہے۔

اب یہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ خود ہندو مذہب میں جو لوگ ادھرمی اور ہندو مذہب پر ایمان نہ رکھنے والے سمجھے جاتے تھے، ان کے لئے عام طور پر ''دشمن'' ہی کی تعبیر اختیار کی جاتی ہے، بلکہ اس طرح ان کا ذکر کیا جاتا ہے، جیسے ان کا نام ہی دشمن ہو، چند مثالیں یہاں نقل کی جاتی ہیں :

* ہم تیری مدد سے دولت حاصل کریں، ہم تیری اعانت سے اور آریوں کی قوت سے اپنے تمام دشمن دسیوں کو مغلوب کر کے۔ (رگ وید: ۲:۱۱:۱۹)
* اے بہادر ! ہم تیری مدد سے دونوں قسم کے دشمنوں کو قتل کر کے خوشحال ہوں۔ (رگ وید: ۶:۸:۱۳)
* دشمنوں کے قتل کرنے والے در تیرا! دسیوں کو ہلاک کرنے والے!۔ (رگ وید: ۱۰: ۸۳: ۳)
* تو ہمارے دشمنوں کو قتل کر...... قتل کیے جاؤ دشمنوں کو کچلے جاؤ۔ (رگ وید: ۱۰: ۸۴: ۲-۳)
* اندر اور سورما! تو خبیث دشمن کو جلا دے۔ (اتھر وید: ۳: ۴-۱)

غرض کہ ہندو مذہبی کتابوں میں ان لوگوں کو جو اس مذہب کو نہ مانتے ہوں یا جن کو آریہ نسلی اعتبار سے حقیر جانتے ہوں ، انھیں عام طور پر ''دشمن'' ہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، شودروں کا بدقسمت گروہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اگر دوستی اور دشمنی کے پیمانے میں رکھ کر ان کے بارے میں ہندو مذہبی کتابوں کی تعلیمات کو دیکھا جائے تو حقارت کے علاوہ ان سے نفرت کا اظہار بھی ہوتا ہے اور یہ بھی کہ اونچی ذات کے لوگوں کو ان لوگوں سے بے تعلق رہنا چاہئے

اوران سے ہرگز دوستی کا رشتہ نہیں جوڑنا چاہئے، مثلاً منوجی شودروں کے بارے میں ہدایت کرتے ہیں :

* وہ کسی برادری سے خارج کئے ہوئے شخص یا چنڈال کے ساتھ ایک درخت کے سایہ میں بھی نہ ٹھہرے۔ (منوسمرتی: ۴:۷۹)

واضح ہو کہ ''چنڈال'' سے مراد وہ شخص ہے جو شودر مرد اور برہمن عورت کے اختلاط سے پیدا ہوا ہو۔

* جو کوئی شودر کو دھرم کی تعلیم دے گا اور جو اسے مذہبی مراسم ادا کرنا سکھائے گا، وہ اس شودر کے ساتھ ہی اسم ورت نامی جہنم میں جائے گا۔ (منوسمرتی: ۴:۸۱)
* چنڈ اور سپاس لوگوں کی رہائش بستی کے باہر ہونی چاہئے۔ (منوسمرتی: ۱۰:۵۱)
* براہمن شودر سے کبھی دان نہ لے۔ (منوسمرتی: ۱۱:۲۴)

یہ محض چند مثالیں ہیں، ورنہ منوسمرتی تو ایسی تعلیمات سے پُر ہیں اور ان کو اتنا قابل اجتناب سمجھا گیا ہے کہ :

* اگر براہمن کسی بلی یا نیولے یا چوہے یا مینڈک یا کتے یا چھپکلی یا اُلّو یا کوے کو مار ڈالے تو اس کا وہی کفارہ ہے جو شودر کو مارنے پر مقرر کیا گیا ہے۔ (منوسمرتی: ۱۱: ۱۳۲)

غور فرمائیے کہ نسل و مذہب کی بنیاد پر ایک طبقہ کے ساتھ کیسی نفرت وعداوت کو رَوا رکھا گیا ہے اور کس کس طرح لوگوں کو ان سے دور رہنے کی تعلیم دی گئی ہے؟؟

غیر مسلم اور ہدایت

(۱۷) وَ اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ۔ (التوبۃ: ۳۷)

اللہ کافر لوگوں کو صحیح راستہ نہیں دکھاتا۔

یہ آیت کا صرف آخری ٹکڑا ہے، پوری آیت کا ترجمہ دیکھ لیا جائے تو خود بخود غلط فہمی

دور ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بات بتائی کہ زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت سے ہی سال کے بارہ مہینے ہیں، یعنی ۱۲ مہینوں میں سورج کے گرد زمین کی گردش پوری ہوتی ہے، ان میں سے چار مہینے ''حرام'' ہیں، یہ چار مہینوں کے حرام ہونے کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ہی عربوں میں چلا آ رہا تھا، ان مہینوں کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں جنگ کی مکمل ممانعت ہے، عرب کے خطہ میں جہاں کوئی قانونی حکومت نہیں تھی، ان مہینوں کا احترام لوگوں کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا؛ کیوں کہ ان ہی مہینوں میں وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کر سکتے تھے، یہ چار مہینے تھے: رجب، ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔

لیکن صورتِ حال یہ تھی کہ جب وہ ان مہینوں میں سے کسی مہینہ میں جنگ کے لئے مناسب موقع پاتے تو مہینے کو بدل دیتے، مثلاً کہتے کہ اس سال ذوقعدہ کی جگہ صفر ہے اور صفر کی جگہ ذوقعدہ، اسی طرح کبھی مہینہ بڑھا دیتے اور بارہ مہینوں کی جگہ تیرہ مہینوں کا سال قرار دیتے، کبھی مہینہ گھٹا کر ۱۱ مہینوں کا سال کر دیتے، قرآن مجید نے ان کے اس رویہ پر تنقید کی اور فرمایا :

إِنَّمَا النَّسِيئُ زِيَادَةٌ فِيْ الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهُ عَاماً وَيُحَرِّمُوْنَهُ عَاماً لِيُوَاطِؤُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوئُ أَعْمَالِهِمْ وَاللهُ لاَ يَهْدِیْ الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ۔ (توبۃ:۳۷)

بے شک نسی (مہینوں کا اپنی جگہ سے ہٹا دینا) کفر میں زیادتی ہے، اس کے ذریعہ کفر کرنے والے گمراہ کیے جاتے ہیں، وہ کسی سال حرام مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال حرام سمجھتے ہیں؛ تاکہ ان مہینوں کی جنھیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے، گنتی پوری کر لیں، پھر اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کو حلال کر لیتے ہیں، ان کی بداعمالیاں انھیں اچھی معلوم ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

غرض کہ اہل مکہ کے جانتے بوجھتے اس غلط روش کو اختیار کرنے کی قرآن نے مذمت کی ہے ؛ کیوں کہ اس کے ذریعہ عوام کو گمراہ کیا جاتا تھا ، مثلاً کسی چیز پر سالانہ سود مقرر ہوا ہے اور آپس میں مشورہ کر کے دس مہینے کا سال قرار دے دیا ، تو اب دس ہی ماہ میں وہ پورا سود بیچارے بھولے بھالے عوام سے وصول کرنے کا بہانہ ہاتھ آگیا ، اسی طرح کسی کو ایک سال کے لئے مزدوری پر رکھا اور اجرت سالانہ متعین کی ، اب بارہ کے بجائے چودہ ماہ کا سال مقرر کرلیا اور دو مہینہ زیادہ اس سے خدمت لے لی ، اس طرح پر عوام کو بے وقوف بنانے کا حیلہ تھا ، اسی کو قرآن نے کہا ہے کہ کچھ کافروں ہی کو اس نام پر گمراہ کیا جاتا ہے اور دھوکہ میں ڈالا جاتا ہے ، پھر اہل مکہ میں سے ان مجرم پیشہ لوگوں کے بارے میں کہا گیا کہ یہ چوں کہ دانستہ طور پر غلطی پر مصر ہیں ، اس لئے ان کو ہدایت حاصل نہیں ہوسکتی ۔

پس یہ بات کافروں کے ایک خاص گروہ کے بارے میں ہے ، ورنہ قرآن تو چاہتا ہی ہے کہ جو مسلمان نہیں ہیں وہ بھی ہدایت کے راستہ پر آئیں ، اسی لئے قرآن نے اپنا تعارف ہی یہ کرایا ہے کہ وہ تمام انسانیت کے لئے ہدایت ہے : ''هُدًى لِلنَّاسِ'' (البقرہ : ۲) اور اس اُمت کو حق اور سچائی کی طرف بلانے کا حکم دیا گیا ہے ، تو اگر قرآن کا یہ تصور ہوتا کہ کسی غیر مسلم کو وہ راستہ مل ہی نہیں سکتا جس کو اسلام صحیح راستہ سمجھتا ہے اور ہدایت قرار دیتا ہے ، تو کیوں کر اُمتِ مسلمہ کو انسانیت کی دعوت کے لئے مامور کیا جاتا ؟

عیسائیوں میں آپسی عداوت

(۱۸) فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۔ (المائدة : ۱۴)

پھر ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے اور اللہ جلد انھیں بتادے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے ہیں ۔

یہ بھی آیت کا ایک ٹکڑا ہے ، پوری آیت اس طرح ہے :

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّا نَصَارٰى أَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظّاً مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۔ (المائدۃ : ۱۴)

اور جولوگ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں، ان سے بھی ہم نے عہد لیا تھا، جو کچھ انھیں نصیحت کی گئی ، اس کا بڑا حصہ وہ بھلا بیٹھے، تو ہم نے ان میں قیامت تک کے لئے باہم بغض وعداوت پیدا کردی اور عنقریب اللہ انھیں جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں، ان کے بارے میں بتائیں گے۔

اس آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں :

اول یہ کہ یہ ارشاد ان لوگوں سے متعلق ہے جو اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں، نہ کہ تمام غیر مسلموں سے متعلق، دوسرے قرآن نے ہمیں بتایا کہ ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عہد لیا تھا کہ آپ کے بعد جو نبی آئے گا، یعنی محمد رسول اللہ ﷺ، وہ ان پر ایمان لائیں گے؛ (صف:٦) لیکن انھوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا؛ حالاں کہ عیسائیوں نے اور خاص کر سینٹ پال نے عیسائی عقائد کو پوری طرح ردّ وبدل کر کے رکھ دیا ہے اور اس میں اپنی طرف سے آمیزشیں کردی ہیں ؛ لیکن اس کے باوجود انجیل میں ابھی بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی طرف اشارے موجود ہیں، یہاں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دو ارشادات نقل کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے، وہ فرماتے ہیں :

✵ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کروگے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (یوحنا: ۱۶:۱۴)

* میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے؛ کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا؛ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا:۱۶:۷،۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ نے ہی نبوت کا دعویٰ فرمایا، قرآن نے آپ ﷺ کو ''**خاتم النبیین**'' یعنی ابد تک کی نبوت کا حامل قرار دیا اور آپ ﷺ نے دنیا پر واضح کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے معاندین میں کون راست باز ہے اور گنہگار؟ اس طرح عیسائیوں کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کی تعلیم کے مطابق آپ ﷺ پر ایمان لانا ضروری تھا؛ لیکن انھوں نے ایمان نہ لاکر اس عہد کی خلاف ورزی کی۔

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی قوموں پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے بعض عذاب نازل کرتے ہیں، جن میں سے ایک ان کے درمیان باہمی اختلاف و افتراق کا پیدا ہوجانا بھی ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُمتِ مسلمہ کے بارے میں بھی فرمایا کہ اس اُمت پر کوئی اجتماعی عذاب تو نازل نہیں ہوگا؛ لیکن آپسی اختلاف و افتراق کا عذاب ان کی شامتِ اعمال کی وجہ سے نازل ہوگا اور مسلمان عملاً آج اس سے گذر رہے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے بارے میں فرمایا کہ قیامت تک عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے درمیان سخت اختلاف کی کیفیت باقی رہے گی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ عیسائیوں میں جتنے زیادہ مذہبی فرقے ہیں، شاید ہی کسی اور مذہب میں ہوں اور مذہبی اختلاف کی بنیاد پر عیسائی فرقوں نے ایک دوسرے کو جس طرح بے تحاشا قتل اور زندہ جلا دینے کی سزا دی ہے، مشکل سے مذاہب کی تاریخ میں اس کی کوئی اور مثال ملے گی، کلیسائی نظام کے زمانۂ عروج میں مذہبی عدالتوں کے حکم پر قتل کئے جانے والوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی جاتی ہے، جن میں تین لاکھ چالیس ہزار کا تعلق صرف اسپین سے تھا

اوران میں بتیس ہزار وہ لوگ ہیں جو زندہ جلا دیئے گئے، پھر عیسائی حکومتوں کی باہمی منافرت دیکھئے کہ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم دراصل ان ہی کی باہمی رقابتوں کے نتیجہ میں ہوئیں، جن میں کروڑوں انسان لقمۂ اجل بن گئے، یہ قرآن کی ایک پیشین گوئی ہے اور ایسی پیشین گوئی ہے جو انسانیت کے مشاہدہ میں ہے، اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو قابل اعتراض، یا مسلمانوں کو کسی فرقہ کے خلاف بھڑکانے والی ہو۔

اس پمفلٹ میں چھ آیتیں وہ ذکر کی گئی ہیں جن میں کفر کرنے والوں کے لئے آخرت کی سزاؤں کا ذکر ہے، یہ آیات اس طرح ہیں :

غیر مسلم اور عذابِ آخرت

(۱۹) إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَاراً كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْداً غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوْا الْعَذَابَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزاً حَكِيْماً۔ (النساء:۵۶)

بے شک جن لوگوں نے ہمارے احکام کا انکار کیا، ہم انھیں دوزخ میں داخل کریں گے، جب جب ان کی کھالیں پک جائیں گی تو ہم انھیں دوسری کھالوں سے بدل دیں گے؛ تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں، بے شک اللہ طاقت والا حکمت والا ہے۔

(۲۰) وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۔ (التوبۃ:۶۸)

منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے، یہی انھیں بس ہے اور ان پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان کے لئے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔

(۲۱) إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِن دُوْنِ اللهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ۔ (الانبیاء:۹۸)

یقیناً تم اور اللہ کے سوا جنھیں تم پوجتے ہو، وہ دوزخ کا ایندھن ہیں اور تم لوگ اس میں اترو گے۔

(۲۲) فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَالَّذِیْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (حم السجدۃ:۲۷)

تو یقیناً ہم کفر کرنے والوں کو سخت عذاب چکھائیں گے اور ان کو ان کے برے کاموں کا بدلہ دیں گے۔

اس سے پہلے کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ان لوگوں کے بارے میں فرمائی ہے جو قرآن مجید پڑھنے کے وقت شور وغل کرتے تھے اور لوگوں کو قرآن سننے نہیں دیتے تھے۔

(۲۳) ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللهِ النَّارُ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَاءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ۔ (حم السجدۃ:۲۸)

یہ بدلہ ہے اللہ کے دشمنوں کا، آگ، اسی میں ان کا ہمیشہ کا گھر ہے، اس کے بدلہ میں کہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

(۲۴) وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنتَقِمُونَ۔ (السجدۃ:۲۲)

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعہ یاددہانی کرائی جائے، پھر بھی وہ اس سے منھ پھیر لے، یقیناً ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں، اس کے احکام کی نافرمانی کرنے والوں اور غیر اللہ کے سامنے سر جھکانے والوں کے لئے عذاب کا ذکر ہے، یہ بات وی، ایچ، پی

کے بھائیوں کو بہت نا گوارِ خاطر ہے، دنیا کی معمولی حکومتیں بھی اپنے مخالفین کو سزائیں دیتی ہیں، وی، ایچ، پی اور بجرنگ دل والے بہت سے بے قصور لوگوں کو صرف اس لئے تکلیفیں دینا، زندہ جلانا اور نیست و نابود کردینا درست سمجھتے ہیں، کہ وہ ان کے ہم مذہب نہیں ہیں؛ لیکن وہ چاہتے ہیں کہ خدا اتنا عاجز، بے حس اور بے شعور ہو کہ چاہے کوئی اس کا فرماں بردار ہو یا نافرمان، کوئی اس کے سامنے سر جھکائے یا اس کو برا بھلا کہے، کوئی اس کے حق میں دوسرے کو شریک ٹھہرائے ؛لیکن خدا کوئی حرکت نہ کرے، وہ اپنی آنکھیں اور کان بند کئے رہے اور ظلم و بدی کرنے والوں کو نہ دنیا میں کچھ کہے اور نہ مرنے کے بعد، یہ کیسی نامعقول اور ناانصافی کی بات ہے؟ خدا کی تو شان ہی یہی ہے کہ وہ پورا پورا انصاف کرے اور اچھے اور بروں کو ان کے عمل کی جزاو سزا دے، دنیا کے تمام ہی مذاہب میں جزاو سزا کے قانون کو مانا گیا ہے اور اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ انسان کو اچھے عمل کرنے چاہئیں؛ تاکہ وہ خدا کے عذاب سے بچ سکے، ہندو مذہب میں بعض اعمال پر سورگ اور بعض اعمال پر نرک کی جو پیشین گوئی ہے وہ آخر کیا ہے؟ یہ جو شری کرشن جی، ارجن کو ترغیب دیتے ہیں کہ تم کوروں پر حملہ کرو، اس سے تمہارے لئے سورگ کا دروازہ کھل جائے گا اور منو جی کہتے ہیں کہ برہمن شودر کی لڑکی کو اپنے پلنگ پر بھی بٹھال لےتو بیچارہ نرک میں چلا جائے گا، یہ سورگ اور نرگ کیا ثواب وعذاب سے عبارت نہیں ہے؟ ہندو مذہبی علماء آج جس پنر جنم کے قائل ہیں، اس کے مطابق ایک انسان اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے آئندہ کتا اور سوّر بن سکتا ہے، یہ بھی دھرم کی خلاف ورزی پر خدا کی طرف سے عذاب ہی تو ہے؛اس لئے ان آیات پر اعتراض کے کوئی معنی نہیں؛ بلکہ اگر خدا نافرمانوں کی گرفت نہیں کرتا ،تو یہ خدا کی شان اور انصاف کے خلاف بات ہوتی، اگر نافرمانوں کے لئے کوئی سزا نہ ہوتی تو وید میں یہ دُعاء سکھائی نہ جاتی کہ وید مخالفوں کو ہلاک کردے۔(اتھر وید:۲۰:۱۰۵:۱)

ہاں !اگر ان آیات میں اسلام کی مخالفت کرنے والوں کے خلاف مسلمانوں کو اُکسایا گیا ہو؛ تاکہ وہ خدا کی عدالت کا انتظار نہ کریں؛ بلکہ خود ہی انھیں سزائیں دے دیں، تو اس

سے اشکال پیدا ہوسکتا تھا؛ لیکن قرآن نے یہ اُصول بتایا کہ دنیا میں ہر شخص اپنی سوچ کے مطابق عمل کرے گا، مسلمان دوسری قوموں پر داروغہ نہیں، کہ وہ انھیں اپنی رائے پر عمل کرنے کے لیے مجبور کریں: ''لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ'' (الغاشیہ: ۲۲) لیکن اللہ تعالیٰ آخرت میں مسلمان ہوں یا غیر مسلم، انھیں خود ان کی بداعمالیوں کی سزا دے گا، قرآن نے بار بار دوزخ میں آگ کی سزا کا ذکر کیا ہے؛ لیکن دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ ایک انسان دوسرے انسان کو آگ میں جلانے کی سزا دے اور فرمایا کہ ایسی سزا دینے کا حق صرف اللہ ہی کو ہے، غرض کہ دنیا کا قانون اور ہے اور آخرت کا قانون اور، اور اگر اللہ آخرت میں بھی ظالم و مظلوم اور فرماں بردار و نافرمان کا فرق نہ کرے تو پھر وہ خدا کہلانے کا مستحق بھی ہے؟

❁❁❁